

www.HallaGulla.com

ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں

نجمی اور جمشید
کے کارٹونوں کے ساتھ

Virtual Home
for Real People

ابن انسا

www.HallaGulla.com

ابن بطوطة کے تعاقب میں

سفر نامہ
Virtual Home
for Real People

ایک ہدایت نامہ پیارے ہم وطنوں کے لئے

ہم جب کبھی ملک سے باہر قدم نکالتے ہیں۔ پچھے کوئی نہ کوئی خوابی ہو جاتی ہے۔ لوگ ہماری غیر حاضری کا فائدہ اٹھانا شروع کر دیتے ہیں ۱۹۶۸ء کے اوائل میں سوچ کر ایک کر کہ اب یہ ملک نوزائیدہ نہیں رہا ماشا اللہ بالغ اور ہوشمند ہو گیا ہے، ہم ایک دورے پر نکل گئے سنگاپور بھی نہ پہنچتے تھے کہ لڑکوں کے ہڑتا لیں کرنے کی اطلاعیں آنے لگیں، ہم نے سوچا کوئی بات نہیں ناسمجھ ہیں، ہم والپس جا کر سمجھادیں گے لیکن ہانک کا نگ کا پہنچ پر معلوم ہوا کہ بڑی عمر کے لوگ بھی بیانات دینے لگے ہیں۔ جلوں نکل رہے ہیں۔ لاٹھی چارچ ہو رہا ہے وغیرہ۔ یہ تھج ہے کہ ہم وہاں سے لوٹ آتے تو صورت حال کی اصلاح کر سکتے تھے۔ اس ملک میں کوئی ہمارے کہنے سے باہر تھوڑی ہے لیکن یہ ہمارے اصول کے خلاف ہوتا۔ ہم قدم آگے بڑھا کر پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ لہذا ہانک کا نگ سے ٹوکیو پہنچ، ٹوکیو سے سیوں اور ہونو لو لو ہوتے ہوئے سان فرنسلو جاوارد ہوئے۔ امریکہ سے سویڈن اور ترکی کے راستے واپسی تک حالات ہمارے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ گول میز کانفرنس کی بات ہونے لگی۔ گول میز کانفرس میں شریک ہونا ہم نے پسند نہ کیا۔ یہ بھی اصول کے خلاف نظر آیا۔ ہمارا اصول ہے کہ جہاں ہمیں کوئی بلاۓ نہیں، وہاں نہیں جاتے۔

خیر ہماری بات تو چھوڑے، تشویشناک خبریں سنتے تھے تو ہر بے عمل محب وطن کی طرح ملک کے حق میں دعا کر کے اپنے فرض سے سرخور ہو جاتے۔ تھے لیکن ہمارے ہمسفر فضل الباری صاحب کا معاملہ دیگر تھا۔ آپ مشرقی پاکستان کے وزیر صحت تھے۔ اور ہمارے تین نفری وفد کے لیڈر۔ صحت ان خاصی خواب۔ ہمارے ہمراہ کاب جو تین ایرانی اور تین ترک تھے۔ وہ فقرہ بھی کس دیتے تھے۔ کہ وزیر صحت کسی اچھی صحت والے کو بنا یا ہوتا۔ بلکہ بہتر تو یہی تھا۔ نہ بنایا ہوتا خبریں سن سن کر ان کا ہاضمہ خواب ہو گیا اور منہ ذرا سا نکل آیا شگا گو میں انہوں نے ہم سے کہا کہ ملک کی حالت خواب ہو رہی ہے میری وزارت خطرے میں ہیں جب اور والا ہی نہ رہے گا تو ہم نیچے والے کیسے رہیں گے مجھے تو بار بار غسل خانے جانا پڑتا ہے اب تو میری جگہ کام کرو ہم نے مودبانہ کہا کہ ہم مشرقی پاکستان کے وزیر صحت نہیں ہو سکتے ہمیں اس قسم کے کام کا تجربہ نہیں آپ حوصلہ نہ چھوڑیں بولے میں تم سے مشرقی پاکستان کا وزیر صحت ہونے کی فرمائش نہیں کر رہا اس وفد کی بات کر رہا ہوں جو کچھ کرنا ہے تھی کیا کرو میں اب سویڈن اور ترکی وغیرہ بھی نہیں جاتا اونٹھن ہی سے رخت سفر باندھتا ہوں نیو پارک، ہم ان کو زبردستی لے تو گئے لیکن وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے اور وہاں سے لندن کے ائیر پورٹ پر پہنچتے ہی ہم سے یوں جدا ہوئے کہ دعا سلام بھی نہ ہوئی گویا وہ سیاہی بصیرت سے ایسے محروم نہ تھے دیگر تمی ماندگی واردات ہوئی گویا وہ سیاہی بصیرت سے ایسے محروم نہ تھے جیسے صحت سے تھے کونکہ آج ہمیں سفر تازہ و پیش ہے لہذا ہم اپنے پیارے ہموجوں کی رہنمائی کے لئے ایک ہدایت نامہ چھوڑ جا رہے ہیں ان کو چاہئے کہ سچ مسلمان بنیں اگر ہماری موجودگی میں کسی وجہ سے نہیں بن سکتے تھے تو ہمارے بعد بنیں سچ بولیں پورا تو کو

کر لیں قوم اور ملک کے لئے ایثار کریں اس کے لئے وہ چاہیں تو ہماری مثال اپنے سامنے رکھ سکتے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا اپنی زندگی کو اسلام کے ساتھ میں ڈھالیں رمضان شریف تی ۲۰۱۴ آمد ہے ہم تو خیر سفر میں ہیں اور ہم پر مسافرت کے احکام کا اطلاق ہو گا لیکن اہل وطن کو ہماری تاکید ہے کہ ایک تور رمضان شریف کے درمیان شراب خانے بند رہنے چاہئے جس کسی کے پاس ڈاکٹر کا سرفیکٹ ہے کہ یہ شخص نہیں پے گا تو اس کی صحت تباہ ہو جائے گی وہ چند بولیں ابھی سے خوبی بد کر رکھ لے جو کوگ شراب نہیں پیتے وہ یہ احتیاط کریں کہ دن میں ایسے ہو ٹلوں میں نہ جائیں جو پردے نہ کراتے صرف ایسے ہو ٹلوں میں جائیں جو رمضان شریف کے احترام کے آداب جانتے ہیں اور باہر نکلیں تو اچھی طرح منہ پوچھ کر نکلا کریں۔ ان اوقیٰں باتوں اور مورظہ حسنے کے ساتھ بعض مقامی ہدایتیں بھی ضروری معلوم ہوتی ہیں ہمارا علاقہ جیسا ہم چھوڑ کر جارئے ہیں ویسا ہی ہمیں واپس ملنا چاہئے ناظم آباد کی بڑی سڑک کو تو توڑ کر چند پہفتے پہلے جو پھرتوں کی ڈھیریاں لگادی گئی تھیں وہ ہمارے آنے تک لگی رہنے چاہئے وہ بہت اچھی بلکہ رومانٹک معلوم ہوتی ہیں ہم نے اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو یہ شعر لکھ بھیجا ہے کہ انہیں پھرتوں پر چل کے آسکو تو آؤ مرے کھر کے راستے میں کوئی راستہ نہیں ہے پاپوش نگر کے قبرستان کے سامنے جو مین ہوں کئی ماہ سے کھلے پڑے ہیں ان کو بھی بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ کسی شخص کا مردہ ان میں سے نکال کر وہیں سامنے ڈفن کر دینا کہیں زیادہ کم خرچ ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کا جنازہ اس کے گھر سے لا یا جائے کار پوریشن کے ہمیلتھ افسر صاحب بھی نوٹ فرمائیں علامہ اقبال ٹاؤن میں ہمارے گھر کے ساتھ جو کوڑے کافلک بوں ڈھیر ہے وہ وہاں سے نہ ہٹنے ورنہ ہم احباب کو اپنے گھر کی اور کیا نشانی بتایا کریں گے اب تو لوگ دور دوسرے بلا کسی سے دریافت کئے محض بو سنگھٹے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ادب اور آرٹ کے بارے میں بھی لوگ ہماری ہدایات کے منتظر ہوں گے ہمیں اس بارے میں کچھ زیادہ تجھی مصوری کی نمائش ہماری رکھ کا کہ لوگوں کا دل ملکی مسائل سے ہٹا رہے جن پر غور کرنے کا ہمارے نزدیک چھ فائدہ نہیں، ہم تحریک کے قائل آرٹسٹوں سے بھی زیادہ ہماری روئے میں ہمارے آرٹ کو مجرد ہونا چاہئے ہمارے ادب کو مجرد ہونا چاہئے بلکہ ادیبوں، شاعروں اور آرٹسٹوں کو بھی مجرد ہونا چاہئے اگر باقی لوگ بھی مجرد ہوں تو ہمارے نزدیک اور اچھا ہے ہماری سوچی بھیجی رائے میں آنے والی نسلوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ پیدانہ ہوں۔

مسائل تو اور بھی رہے جاری ہے ہیں مثلاً انتقال اقتدار کے مسئلے پر ہماری رائے لگوں کے ادغام کے بارے میں ہمارے خیالات وغیرہ لیکن اخبار میں ان پر لکھنا ٹھیک نہیں ہمارے تیج رو کو یا ج حکیم ہر نام داس نے اے مصنف ہدایت نامہ خاوند، ہدایت نامہ بوی، ہدایت نامہ والدین وغیرہ سب کچھ متن میں نہیں لکھ دیتے تھے بلکہ کتاب کے اندر ایک لفافہ رکھ دیتے تھے اور وہی پوری کتاب کی جان ہوتا تھا، ہم نے بھی مذکورہ بالا موضوعات پر لفافے تیار کو رکھے ہیں جو دس روپے کا منی آڈر بھیج کر ہم سے مفت طلب کئے جاسکتے ہیں دس روپے کی شرط اس لئے ہے کہ صرف ضرورت مند حضرات طلب کریں ورنہ لوگ بے ضرورت بھی لے لیتے ہیں کہ مفت کا ہے اور پھر پھینک دیتے ہیں۔

پھر چھڑا حسن نے اپنا قصہ

اس کمرے میں ٹیلی ویژن بھی تھا جس کی وجہ سے ہم جتنیدن میورچ میں رہے سنجیدہ موضوعات پر غور و فکر نہ کر سکے اور بھل کا ماشیا بھی جس سے ہم پارسال پیرس میں اسفادہ کر چکے ہیں یہ ایک ڈبہ سا ہوتا ہے جس میں ایک مارک یا ایک فرانک ڈالتے ہیں اور مندرجہ منٹ تک بستر پر ٹھرٹھر اہٹ طاری ہو جاتی ہے ہماری رائے میں یہ ماش بڑی حد تک نفیاں ہے ماش تو وہ ہے جو ہمارے ہاں ہوتی ہے کہ ماش کرنے والا بدن کو ماش کرانے والے کے بدن کو چپڑ کر پٹے کے ہاتھ چلاتا ہے کہ بند بند جھنجھوڑتا ہے توڑتا ہے نچوڑتا ہے تھکن تو بیشک دور ہو جاتی ہے لیکن پہنچا اتر جاتا ہے باہمہ ہتھ سے اکھڑ جاتی ہے نافٹل جاتی ہے یا آدمی بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے ٹوکیو اور بنکاک کے حماموں میں تو جہاں سب نگے ہوتے ہیں ماش کا کام طرحدار اور باعفت بی بوں کے سپرد ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک اپنی عفت کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں جب تک آپ ان کو دس بیس ڈالر ماش کی اجرت کے علاوہ نہ دیں لیکن یہ مہینہ رمضان شریف کا ہے ہمیں اس قسم کے ذکر اذکار سے اور گندی گندی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے یوں بھی حمام کو غسل خانوں کی ذیل میں رکھا جاسکتا ہے جس کے دروازے یعنی جس کے ذکر کے دروازے ہم نے خود پربند کر کر کھے ہیں ہم نے اپنے آپ میں اس قدر اصلاح کر لی ہے کہ خود ہم کو حیرت ہوتی ہے اگر ہمارے میزبان ہمیں بازار کی طرف لے جاتے ہیں تو ہم آرٹ گیلری کی طرف بھاگتے ہیں ہمارے سامنے ناتھ کلب یا ہو ولعب کے کسی اور کارخانے کا مذکورہ لاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں پہلے تنقید عقل خض اور ناطشے کی فوق البرٹ پر بحث ہونی چاہئے ہمیں مناظر قدرت دکھانا چاہتے ہیں تو ہم اقبال کے مصرع کا ترجمہ سنادتے ہیں کہ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی جمنی کی عورتیں ٹیسی ہوتی ہیں اور کپڑے کسے پہنچتی ہیں اور پہنچتی بھی یا نہیں یہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کیونکہ عورتوں کی چرف ہم دیکھتے ہی ٹھیں ایک تو اپنی طبعی شرم اہٹ اور شرافت کی وجہ سے اور دوسری وجہ سے ہم اس وقت بھول گئے ہیں۔

جہاں جہاں ہم گئے ہم نے اوپر اضور دیکھا یہ فون اطیفہ کی انتہائی اطیف صورتوں میں سے اس میں تماشا شروع ہونے سیت پہلے ہی داد کے لئے تالیاں بجائی پڑتی ہیں لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخوا سٹچ کے نیچے نشیب میں پچیس تیس آدمی طرح طرح کے ساز لئے بیٹھے ہوتے ہیں اور ایک آدمی برا بر ہاتھ اور چھٹری ہلاتاریتا ہے ہمارے ہاں کی طرح کسی سازندے کو اپنا سبق یا کروار ابائی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کی روں روں کے بعد پھر حاضرین کو تالیاں بجائی پڑتی ہیں اور سازندوں کے سر غنچے کو جھک کر آداب بجا لاتے ہوتے ہیں کھیل تو جلدی ختم ہو جاتا ہے زیادہ وقت آخو میں کرداروں کے تعارف میں لگتا ہے پہلے سب مل کر داد و صولی کرتے ہیں اور حاضرین سے تالیاں بکوئتے ہیں پھر ہر شخص فرد افراد آتا ہے پھر دو ڈکر کے آتے ہیں پھر تین کر کے آتے ہیں پھر سب ہاتھ پکڑ کر دوڑے آتے ہیں پرده کھلتا ہے بند ہوتا ہے آخو میں جب وہ تھک جاتے ہیں تو داد و صولی کرنی بند کرتے ہیں اور ناظرین کی ٹکلو ٹھلاصی ہوتی ہیں یورپ کے ہر بڑے شہر بلکہ قصبے میں اوپر اہاؤس ہیں پچیس تیس آدمی مل کر اتنا شور مچاتے ہیں یعنی موسیقی بہم پہنچاتے ہیں جتنی ہم لوگ ایک معمولی ٹرانسٹر سے پیدا کر سکتے ہیں ملکٹ خاصا مہنگا ہوتا ہے اور گیلری بھری رہتی ہیں اور عورتیں لمبے جامے پہن کر اور سولہ سترہ سنگار کر کے آتی ہیں اور بہت خونج ہوتا ہے ہمبرگ کے اوپر ہاؤس کو پرسال حکومت کی چرف سے ۲۰ ملیون یعنی دو کروڑ مارک کی امداد ملتی ہے۔

القصہ جرمنی کے جس شہر میں ہم جاتے ہیں اور ہمارے پروگرام میں ضرور شامل ہوتا ہے اور میں جو کوئی بھی آتا ہے ٹھوکری لگاتا ہے یہ تو خیر فلمی مصروع ہے جو فلموں سے رغبت کی وجہ سے زبان قلم پر آگیا ہے کہنا یہ ہے کہ جو کوئی بھی آتا ہے گاتا ہوا آتا ہے ایک طرح کی اندر سمجھا سمجھے یہ چ ہے کہ اور میں بیٹھے ہی ہمیں نیند آئی شروع ہو جاتی ہے اور موسیقی تو ہمیں اپنے ملک کی بھی سمجھ نہ آئی یہ تو پھر باہر کی ہے اس کے باوجود ہم پوری طرح محفوظ ہوتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور دوسروں سے بڑھ چڑھ کرتالیاں بجاتے ہیں تا کہ ہمارے اعلیٰ تہذبی ذوق کے بارے میں کسی دل میں بے جا و سو سہ پیدا نہیں ہوتا تا ہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے فرنیکرفٹ اور میورنیک اور برلن اپنے یتہذبی ذوق کی آبیاری کے بعد ہم برگ پہنچے تو وہاں بھی اور ہمارا منتظر تھا *iada* دکھایا جا رہا تھا جو مصر قدیم کی داستان ہے کوچی جیسی واڑھی والے فرعون صاحب اور انکی باندی اور ان کے لشگری اور درباری آدھہ آدھہ گھنٹہ تک جرمکن زبان ہو گا گرا پنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں دو سین تو ہم نے جما ہیوں اور غنوڈگی کے باوجود دیکھئے اس کے بعد باہر نکل آئے اور سڑک کی سیر سے کما حقدہ لطف اندوز ہونے کے بعد ایک سینما میں ٹھس کئے جس میں بکاشیو کی ڈی کامران دکھائی جا رہی تھی یہ اہل مغرب کی الف لیلہ ہے اس میں ہر پانچ منٹ کے بعد نامحرموں میں اس قسم کا اختلاط دکھاتے ہیں کہ ہماری مجرتی اخلاقی قدروں کو بہت بڑی طرح ٹھس پہنچی تھی لیکن اتنا ہے کہ ہمیں جما یا نہیں آئیں اور نیند نہ صرف اس وقت بلکہ اس کے بعد مناسب نہ ہو گا بعض باتیں تو کسی نامبارک مہینے میں بھی بیان کرنے کی نہیں ہیں۔

Virtual Home
for Real People

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔

انگلستان کو چھوڑ کر یورپ کے جس ملک میں بھی ہم جائیں زبان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے ہمارے لئے نہیں اس ملک کے لوگوں کے لئے کیونکہ ہم تو اپنا مشتا انگریزی میں بخوبی ادا کر لیتے ہیں یہ لوگ سمجھ نہیں پاتے یہ سچ ہے کہ بھی بھی انگلستان والے بھی ہماری انگریزی سمجھنے سے قاصر ہتے ہیں لیکن ایسا فقط بھی بھی ہوتا یہ نہ دن میں ہم نے جب کنگھا خویدنا چاہا لیا، ہم برگ میں نہیں خوید سکے۔ ہم برگ میں اس روز بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور ہمیں ایک پبلشر سے ملنے شہر سے دورا یک قبیلے میں ریل سے جانا تھا، ہم برگ میں عام بڑی ریلوے کے علاوہ دو طرح کی چہری ریلیں چلتی ہیں ایک یوبان یعنی ابٹر گراونڈ اور دوسرا الیس بان یعنی کی سطح سے ایک منزل اوپر چلنے والی، ہم بے اپنے سفرنامے آوارہ گردی کی ڈائری میں برلن کی الیس بان کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے ہم اور مولوی محبوب عالم پیسہ اخبار والے سفر کرتے رہے ہیں وہ ۱۹۰۰ء میں ہم ۱۹۶۷ء میں تو یہ ذکر کا لیس بان کے اسٹیشن کا ہے اور ہم برگ میں ہوا کے جلنے کا ہے جس کی وجہ سے ہمارے گیسو بے طرح پریشان ہو رہے ہیں اپنے دوست مشتاق احمد یوسفی پر شک آیا کہ تتنی بھی ہوا چلے اگلوں پیش نہیں آتے ہمارے ترجمان مسٹر کیدر لین تو ٹکٹ لینے چلے گئے ہم نے ایک دکان پر کنگھا خویدنا شروع کیا اور خویدتے چلے گئے comb تو خیر وہ کیا سمجھتا ہم نے اپنے بالوں میں انگلیوں سے کنگھا کر کے دکھایا اس نے پہلے کریم کی ایک شیشی پیش کی ہم نے رد کر دی تو شیمپوکی ایک ٹیوب دکھائی، اسپر ہم نے ہامی نہ بھری تو وہ بالوں کی ایک دل دکھانے لگا، ہم نے بالوں کی پیٹیاں ہاتھ سے جما کر دکھائیں ٹیڑھی مانگ نکالی سیدھی مانگ نکالی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا جانے والا سامان کیسے بیچتا ہو گا اتنے میں مسٹر کیدر لین آگئے اور انہوں نے کوئی لفظ کہا اور دکاندار نے جھٹ بہت سارے لکھنے کاں کر سامنے رکھ دیئے۔ آج کی سننے کے دم تحریر ہم برلن اور ہم برگ اور میونخ وغیرہ کو بھگتا کر دوبارہ فرنیکرفٹ میں فرد کش ہے اتوار کا دن ہے اور عین اس وقت بھی گرجا کا گھنٹہ بن رہا ہے صبح اٹھ کر ہم نے شیوکا سامان نکالا اور صابن لگایا بلیڈ تلاش کئے تو ندادرسوٹ کیس کا کونا کونا چھان مارا کچھ فائدہ نہ ہوا آخو خویدے جاسکتے ہیں اس سهلے آدمی نے جانے کیا سمجھا بولا اچھا تو آپ جا رہے ہیں آپ کا بل بنا دوں ہم نے کہا نہیں بھائی ہماری صورت سے اتنے بیزار کیوں ہو رہے ہو، ہم فقط شیوکرنا چاہتے ہیں داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بتایا بولا اچھا اچھا لیکن آج تو سب دکانیں بند ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ریلوے اسٹیشن جاؤ اور قسمت آزماؤ غمکھہ تو اکہ یہ ہو ٹل جسے ہم ہو ٹل چینسر گوٹ کہتے ہیں کیونکہ اس کا نام ہو ٹل شیشیر ہوف یاد رکھنے کی اور کوئی ترکیب نہیں اسٹیشن سے فقط پندرہ بیس منٹ کی راہ پر واقع ہے چنانچہ ہم نے صبح کی ٹھنڈی کی رواہ نہ کرتے ہوئے ادھر کا رخ کیا اس وقت نو بجھنے کو تھے لیکن سڑک پر آدم نہ آدم زاد بندہ نہ بندے دہی ذات سارا اسٹیشن کھوم گئے مٹھائی کی دکانیں کھلی تھیں ناشتے والے تھے اخبار والے تھتمبا کو اور سگریٹ والے تھے لیکن ہمارے مطلب کی چیز بیچنے والا کوئی نہ تھا، ہم مالیوں ہو رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اچھا داڑھی بڑھا لیں گے آج کل فیشن میں داخل ہے اور داڑھی نہ رکھنے والا آدمی یعنی ملا سمجھا جاتا ہے اپنے پیارے مذہب کے بعض احکام بھی پا دائے لیکن اتنے میں ایک کوکنی نظر آئی کنگھے والے تجربے کی وجہ سے اب کے ہم اپنی زبان دانی پر دھار رکھ کر گئے تھے نہ صرف ڈکشنری سے بلیڈ کا ترجمہ دیکھ لیا تھا بلکہ یہ بھی یاد کر لیا تھا کہ شیو کرنے کو کیا کہتے ہیں rasieren کم پڑھے لکھے لوگوں کو معلوم رہے کہ ریز کا لفظ ہمیں سے نکلا ہے یا پھر یہ ریز میں سے نکلا ہو گا وہاں کھڑکی خالی تھی لیکن اتنے میں ایک بڑی بی آہی کیں ہم نے پہلے بلٹ کہا پھر

اور پھر داڑھی پر ہاتھ پھیرا بولیں rasieren you blade اور بیلڈوں کا پیکٹ اٹھا کر دے دیا معلوم ہوتا ہے اس بیچاری کو جمن نہیں آتی تھی صرف انگریزی آتی تھی ہماری طرح دونوں زبانوں پر قادر معلوم نہیں ہوئی تھیں۔

کل شام ٹیکسی والے نے ہمارے گتن تان کے جواب میں بڑے صحیح مخرج سے کڈ ایونگ کہا اور پھر انگریزی بولنی شروع کی ہم نے کہا میاں خوب انگریزی بولتے ہو ہمارے مقابلے کی نہ سہی پھر بھی خاصی اچھی ہے بالاجی میں لندن کا رہنے والا ہوں یہاں ٹیکسی چلاتا ہوں انڈیا میں بھی رہا ہوں آپ کہاں کے ہیں ہم نے پاکستان اور کراچی کا نام لیا بالا، لاہور بڑا خوبصورت شہر ہے ہم نے کہا کیسے معلوم ہوا بالا میں چھسام تک اٹا کی کیپ میں رہا ہوں جولا ہو اور امر زہ کے درمیان واقع ہے اٹا کی اور امر زہ تو ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن مزید تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ وہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک وہاں رہے فوج میں میجر تھے ہم نے کہا اردو میں میں بولتے ہوان کی سمجھ میں نہ آیا ہم نے انگریزی میں یہی سال کیا تو بولا ہم آفیسر تھا اور سپریشن آرمی میں تھا ہمارا چھوٹا لوگ سپاہی لوگ natives سے ملتا تھا آخو ہم نے کہا تمہارے کیپ کا نام ہماری بھج میں نہیں آیا اٹا کی تو کوئی جگہ نہیں اٹاری ہو شاید بولا ہاں اٹاری اٹاری امروز کے بارے میں بھی ہم نے کہا یہ امر تسری کی خوابی معلوم ہوتا ہے اس نے تصدیق کی یہ میجر تھامس صاحب جورونہ چاتا اللہ میاں سے ناتابس تنہا یہاں رہتے ہیں سال دو سال میں لندن بھی ہو آتے ہیں بولے میرے لئے سب جگہیں برابر ہیں میں ابڈیا میں رہا فلسطین میں رہا جرمن جاتا ہوں فریض جانتا ہوں اٹالین جانتا ہوں ہسپانوی جانتا ہوں ہم نے کہا اچھا میجر صاحب ہماری منزل آگئی ہمیں اتنا ریے ہم نے میجر صاحب کو تھوڑی سی بخش تھی دی اور انہوں نے تھینک یو کہا یہی میجر ہمیں ۱۹۶۶ء میں سڑک پر دیکھ لیتے تو گولی مار دیتے غنیمت یہ ہے کہ ہم ان کے ولایت لوٹ جانے کے بعد پیدا ہوئے۔

میونخ میں جو بھی بیتی ہمارے پلے پڑیں وہ بہت شاستہ اور نسلعتیں تھیں پلے پڑنا کا لفظ تو خیر بہت وسیع مفہام رکھتا ہے اور کئی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتا ہے ہمرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سایہ بطور گائیڈ نصیحت الف تھیں یہ بھی ہم اپنے علم کی وسیت کی وجہہ عدالتی اصطلاح لکھنے مسلک تھیں کہئے اور تو بہت کچھ جانتی تھیں کہ ہمارے ملک کا نام بھی سن رکھا تھا لیکن ہماری زبان کا نام سن کر نہیں بولیں ارندو ہم نے لفظ کی کہ ارندو نہیں اردو کوئی تین کے بعد ان کو یہ نام یاد ہوا ظاہر ہے ہماری زبان کی خوبیوں اس کے درد بست فصاحت و بلاغت ضائع بدائع مراعاة الفظیر مفعول عالم سیم فاعله اور دوسرا بار کیوں تک پہنچنے کے لئے کئی سال ہمارے پاس تھے ہم نے ان کو وہاں تک پہنچانے کے لئے کئی سال ہمارے پاس نہیں تھے ہم نے ان کو مختصر الالفاظ میں بتایا کہ کروڑوں آدمیوں کی اس زبان کے عظیم ادب میں ہمارا کیا مقام ہے کیسے ہمیں وہاں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے کیسے ہمارے ملک کی گریاں ہمارے آنے کی خبر سن کر قطار در قطار کھڑی ہو جاتی ہیں انکسارا چھی چیز ہے لیکن ہر چیز کا حتی کہ انکسار کا بھی کوئی موقع محل ہوتا ہے ہم نے موصوفہ سے کہا کہ تم اپنے حساب سے یوں سمجھ لو کہ جمن ادب میں گونٹے ہے کچھ ایسے ہی اردو ادب میں ہم ہیں فیض کے دو تین اشعار کا ترجمہ بھی سنایا کہ یہ ہمارا نمونہ کلام ہے بہت خوش ہوئیں اور بس انھیں خوش کرنا ہی ہمارا مقصد تھا فیض صاحب روس وغیرہ میں ہمارے اشعار اپنے نام سے پڑھ کر نگ جمانا چاہیں تو ہماری طرف سے اجازت ہے عوض معاوضہ گلہ ندارا۔

چند خطوط۔ سراسر ذاتی

فرنیکفرٹ ہمیں پسند ہے اس کی گلیوں میں ہم بارہ تھا گھومے ہیں گلیوں میں ریلوے اسٹیشن پر دریائے مین کے ساتھ اس پار اور اس پار یونیورسٹی کی غلام گروشوں میں گوئٹھ کے گھر کے نواحی میں پام گارڈن میں باغ و حش میں جمنی کا پہلا شہر فرنیکفرٹ ہی تھا جسکے کنارے ۱۹۶۱ء کے موسم خزاں میں ہمارا کارروال آن کے اترا تھا لیکن اب کے ہم تنہا نہیں تھے جمنی کی حکومت کے مہمان تھے اور ان صاحبوں کے آداب میز بانی یہ ہیں کہ آپ جمنی میں اترنے کے لمحے سے لے کر ایک ترجمان آپ کے ساتھ ہو جائے گی یا ہو جائے گا عام طور پر ہو جائے گی ہی کیے اور اس صیے میں بھی اپنی اپنی قسمت کی بات ہے آپ کے دلوں کی خوشگواری یا نا خوشگواری کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کوئی رفیق ٹیکسی ٹلی خوش مزانج یا ترش رو دلو نواز یا تندرو خوفیض یا کنجوس اس کے پاس ایک بوآ ہوتا ہے آپ کی ٹیکسی کابل یہ دے گی کھانے کابل یہ ادا کرے گی تھڑ سینما، میوزیم سب جگہ لے جانا اس کا ذمہ رہے گا آپ دندنائے کھائے نقد پیسے آپ کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا پہلے دن جب ا رسالرات کے گیارہ بجے ہم سے جدا ہو کر جانے لگی تو ہم نے کہا تم نے تو فریاد تھا کہ دن بھر ساتھ رہو گی بولیں دن ختم ہوا ہم نے بہت جنت کی کہ ریلوے کا دن ۲۳ گھنٹے کا ہوتا ہے اور ہم ریلوے کے آدمی ہیں اور اکثر نائٹ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں لیکن اس نے ہماری ایک نہ سنی۔

اس سفر کے دروان ہم نے ایک دوست کو جو خط لکھے پیرس سے وہ انھوں نے ہمارے حوالے کر دئے ہیں در عہد جوانی کی طرح دوران مسافرت میں بھی چنانچہ سے سے کی بات الگ ہے سے سے کا اپنا و بھاؤ۔

فرنیکفرٹ
۱۹۷۴ء کتوبر

جناب والا، دم تحریر ہم فرنیکفرٹ سے بولی رہے ہیں شب و روز مفت کی کھار ہے ہیں جو مزہ مفت کی کھانے میں ہے وہ کما کر کھانیمیں کہاں آدھامزہ تو اسی خیال سے غارت ہو جاتا ہے کپ ہم اپنی پیسہ کھار ہے ہیں بھلا اپنا پیسہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ ہاں ایک ترجمان ہمارے ساتھ ہے جمنی میں خونصورتوں کی کمی نہیں لیکن ہمارے ساتھ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدمی کا بچہ لگاتے ہیں پچھلی بار بھی برلن میں ہمارے ساتھ یہی ہوا تھا یا الگ بات ہے کہ سفر نامے میں ہم نے اپنی رفیقہ کا ذکر کرایے گول مال الفاظ میں کیا تھا کہ بہت سے رقبہ مارے رشک کے جاں بحق ہو گئے اور بہت سی ولی سیناوں نے اپنی انگلیاں جلاپے میں کاٹ لیں اس بھی ترجمان سے ہم نے کہا تمہارے نام کے کچھ معنی بھی ہوتے ہیں فرمایا جی ہاں بندی کے نام کا مطلب ہے ریچھ کا بچہ فوراً نظریں اکبر آبادی یاد آئے وہ ہوتے تو ان کو نچانے کی سوچتے بہر حال یہ ثابت ہوا کہ جمن لوگ حقیقت شناس ہیں ہماری طرح نہیں کہ انہی کا نام نین سکھ رکھ دیں چانکہ ان کا کھانا پینا بھی ہمارے کھاتے میں ہوتا ہے لہذا یہ بے تحاشا طرح طرح کی وائے پیتی ہیں اور ہمیں ا

پہل جوں پلا تی ہیں یہ کہہ کر یہ فرنیکفرٹ کا خاص تنہے ہے جس اونچے ریستوران میں جانے کا اس کا جی چاہتا ہے وہاں لے جاتی ہیں اور چنگا چوسا کھاتی ہیں ہم تو آلو گوشت کھا کر اور کوکا کولا پی کر آ جاتے ہیں یہ شراب شروع کر کے شراب پر ختم کرتے ہیں ہمارے میز بان بھی بل دیکھ کر جیران ہوتے ہیں کہ یہ شخص کیسا بلا نوش ہے صورت سے تو معلوم نہیں ہوتا۔

دفتر سے چھٹی، کام سے چھٹی، مالم تک سے چھٹی خبروں سے بھی چھٹی ہی جائیئے ہیرالڈر مینوں لیا تھا اس میں پاکستان کی خبر تھی وہ بھی نہ مکمل جلالت آب بھی خاں کا قول نقل کیا ہے کہ سال کے آخوتک اقتدار منتقل کر دیا جائے گا لیکن سال نام یعنی نہیں لکھا۔
اب اگلا خط گے کی منزل سے جمنی کو بھگتا کر پیرس آئیں گے وہاں ہمارے خیر مقدم اور خور نوش کا مضبوط انقاص ہونا چاہئے۔

میونخ

۱۱۶ کتوبر ۱۹۷۴ء

میونخ میں ہمارے استقبال کی کوالٹی معتدبہ طور پر بہتر ہو گئے ہے۔ ہر چند کہ استقبال کرنے والی بی بی و پرائیکا اپنے ساتھ باجا نہیں لا ائیں نہ سرخ قالین بھی بچھایا جھنڈیاں اور محرابیں بھی ہم نے نہ دیکھیں لیکن یہ کیا کم ہے کہ خوبصورت تھیں اور مسکراہٹ بھی دنواز رکھتی تھیں ہم نے کہا thank you for being beautiful so فرنیکفرٹ والی ماڈر پیچھ کو پیدا کرتے ہوئے ہم نے کہا اے نیک بخت اے دختے میونخ بھلا تیرے نام کا کیا تو تو ہمیں خو گوش کا پچھے معلوم ہوتی ہے پس کر بولیں آپ کے نام کا کیا مطلب ہے ہم نے کہا ہمارے نام کا مطلب ہے پچھوا اب دوڑ ہونی چاہئے دیکھیں کون جیتا ہے بہت پس فرمایا میرے نام کا مطلب ایک طرح کا پھول ہے ہم نے کہا یہ بھی اچھا ہوا برانہ ہوا ہمیں گیت وغیرہ لکھنے میں آسانی رہے گی بھوزرا بن کے منڈ لائیں گے۔

اب بُلن نقچ میں ہے اور پھر ہمبرگ ہے اگر صورت حال یونہی بہتر ہوتی رہی تو یقین ہے ہمبرگ میں سال روائی کی مس جمنی چھلانگ لگا کر ہمارا استقبال کرے گی اور فور شوق میں ہمیں لپٹ جائے گی ہمیں اپنے منہ سے لپ سٹک چھڑانی مشکل ہو جائے گی ہمیں اس وقت تک آزاد نہیں کرے گی جب تک ہم اس کی تمام مراد دیں پوری کرنے اور تمام فرمان بجالانے کا وعدہ نہ کریں۔

مشکل یہ ہے کہ ہم لے دے کے اردو ادب ہیں اور اس لی بی نے اس زبان کا نام پہلی بار سنائے ہماری ذات کسی کام تو آئے صفات تو بالکل بیکار ہیں افسوس کیا زمانہ آگیا لوگ صورت کو دیکھتے ہیں سیرت کو نہیں سنائے پرانے زمانے میں سیرت کو دیکھنے کا رواج تھا ہمیں پرانے زمانے میں ہونا چاہئے تھا ہوٹل اچھا ہے فرنیکفرٹ سے بہت بہتر اور ایک کام دم مادرن ہم نے بی بی ویرونیکا سے جو ہمیں نیچے ہوٹل کے دفتر استقبالیہ میں ملتی ہیں کئی بار کہا کہ ہمارے کمرے میں بڑی اچھی اچھی چیزیں ہیں تصویریں ہیں مٹھائیاں ہیں شرابوں سے بھرا ریفری گرٹر ہے وہاں آؤ کرتا پاجامہ پہن کر جمعی سے باتیں کر سے گے۔ لیکن وہ طرح دے جاتی ہیں جیسے خدا نخواستہ ہماری نیت خواب ہو رہی ہو خدا نخواستہ ہمیں اپنی پرانی نظم یاد آ رہی ہے۔

جس صورت کے پیچے بھاگے ہاتھ نہ آئی خواب بنی
یا ساگر کی تھا موتی، یا نت، مہتاب بنی
ہاں نظموں کی کھیپ سے اچھی خاصی ایک کتاب بنی

ویسے بھوک اس بی بی کی بھی اچھی ہے ہم ابھی آلوٹھونگ رہے ہیں ہوتے ہیں کہ یہ کھانے کا طباق صاف کر جاتی ہیں میٹھے کا آرڈر دے دیتی ہیں کافی کونا پسند کرتی ہیں اس کی جگہ دائیں پیتی ہیں ہم سوپ سے آغاز کرتے ہیں یہ بہر سے ہم سے شکایت کرتی ہیں کہ بھک رکھ کر کیوں کھاتے ہو خوب کھاؤ اور خوب پوچھم نے کہا اہم ارادہ وزن کسی قدر رکھنا کر جانے کا ہے watch my figure! must کہنے لگیں فکر مت کرو میں تمہاری فیگر واج کردوں گی ہم نے کہا ٹھیک ہے تم ہماری فیگر واج کرو ہم تمہاری فیگر واج کرتے ہیں ویسے وہ کریں نہ کریں ہم ہمہ وقت ان کی فیگر واج کرتے ہیں بدن سبک اور چھر یا عمر کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے اندازہ اٹھارہ اور چالیس سال کے درمیان۔

برلن
۱۱۹ کتوبر

آج شام ہم نے برلن کی اس سڑک پر جسے اپنے پرانے سفرنامے میں ہم نے شاہراہ کفرستان کا نام دیا ہے ایک لمبی سیر کی حتیٰ کہ پاؤں میں کڑ گئے اور جلنے کی سُکت نہ رہی یوں بھی سڑک وہاں کچھ بندسی ہو گئی تھی۔ نڈر گراوئرڈ راستہ بن رہا تھا وہاں ایک لمبے ترے نگے لڑکے نے ہمیں ہیلو کہا ہم نے بھی ہیلو سے جواب دیا۔ اب وہ بولا آر یو این امریکن بواۓ ہم نے جی میں میں کہا بواۓ تو خیر ٹھیک ہے ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے لیکن یہ بھی نہ سوچا تھا کہ ہم پر امریکن ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے پھر خیال آیا، یہ میں نیکرو سمجھا ہو گا جرمنوں کی معلومات بس ایس ہی ہوتی ہیں لیکن ہمارے انکار پر وہ بولا آر یو اے جرم نے حد تھی ہم نے جواب میں سر ہلا دیا تو بولا تم کوئی بھی ہو میرے ساتھ میرے بار میں چلو خیریت اسی میں نظر آئی تھیک یو کہ کر ہم وہاں سے لوٹ آئے آگے جلے ہوئے گر جاوہم کر کے پاس ایک لڑکے نے رستہ روکا اور کہا آپ کے پاس بیس پیسے ہوں گے یعنی میں فینگ ہم نے کہا ہوں گے چنانچہ دے دئے بیس پیسیوں سے اس کا کیا ہو گا اس سے اگلے چورا ہے پر ہوٹل کے عین پاس ایک بی بی نے ہمارے ساتھ سڑک پار کرتے ہوئے کہا، ہلو؛ آپ بتاسکتے ہیں یورو پاسنٹر کہاں ہے۔ ہم نے کہا، یہ سامنے یورو پاسنٹر ہی تو ہے، بولی؛ اصل میں میں یہاں اخْبَنی ہوں میونخ کی رہنے والی ہوں اس نامِ راد شہر میں آج آئی ہوں کل چلی جاؤ نگی۔

ہم نے کہا؛ میوں بہت خوبصورت شہر ہے
بولیں تم کہا کے ہو۔

ہم نے کہا کچھ بھی نہیں کرتے ہم کچھ کرنے کے قابل کہاں ہیں
اب کہاں جا رہے ہو اسے ہوٹل

لینی پڑے گی۔

بولیں یوروپائنٹر میں معلوم ہوا ہم سے پتہ تجھاں عارفہ میں پوچھا تھا ایک کلب ہے جہاں
ہفتا ہے وہ مجھے پسند نہیں کہیں چلیں جہاں سافٹ میوزک نر ہو مجھے ایک جگہ معلوم ہے بس ٹیکسی

ہم نے کہا کہاں چلیں دنیادے اس نکٹرے
ہیں ابھی سے ابھی تو بہت سوریا ہے ساڑھے گیا رہ بجے ہیں تم بھی تنہا ہو میں بھی تنہا ہوں کہیں چلیں

طاعت رز بکا ثواب تو ہم چانتے ہیں لیکن ودرت نے ہمیں پرسائی سے زیادہ بزوی عنایت کی ہے۔

اس لئے ہم نے کہانی لی ہم تھک گئے ہیں ہمیں جا کر سونا ہے۔

جب اس بی بی نے دیکھا کہ ان تلوں نمیں قیل نہیں ہے تو جھٹ سے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہا اور اسی چوک کی طرف چل دی۔ ممکن ہے اسی کوئی اور سافت میوزک کا شیدائی مل گیا ہو۔

ہم نے ناکردار گناہوں کی حرتوں کے ضخیم رجسٹر میں اس کا نام البتہ لکھ لیا ہے مس ورسکا اصلاحیک آٹھ سال سے مقیم میونچ طرحدار خوش آواز عمر ۲۱۲۰ سال ملاقات نزد ولیم چرچ۔ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۷۸۱ء

اس رجسٹر ناموں کی کمی نہیں بلکہ اب تو لباب بھر چلا ہے میونچ کے ٹیکنیکل میوزیم میں زیر زمین کوئے کی ایک دکان بننے ہے ہے سرنگ درس رنگ اسی طرح ایک کان نمک کی بھی ان راستوں میں نہ آدم نہ آدمزاد نقول فردوس بیگم جھتے بندہ نہ بندے سی ذات ہو وے وہاں درنیکا کے ساتھ کوئی پون گھنٹہ کہیں نہیں تاریکی میں کہیں اندر یہی ہے گھب میں جی میں کیا کیا خیال آئے اور کیا واسو سے اٹھے، رسم دنیا بھی تھی دستور تھی تھا کان کے خاتمے پر رونیکا نے کہا ویران اور عجیب جگہ ہے میں پہلی بار آئی ہوں میں تنہا تو کبھی نہ آتی تم ساتھ تھے اس لئے آگئی۔

خواجہ طاطم الدین مرحوم کے متعلق مشہور ہے کہ بات بات پر کہا کرتے تھے
ہم بھی کتنے گدھے تھے وہ بھی نہیں تھے یہ ان کا انکسار تھا تکہ کلام تھائی لی

ورنیکا کی بات بھی سن کر ہماری زبان سے بھی بے اختیار نکلا۔۔۔ ہم بھی
کتنے گدھے ہیں اس میں انگلی کو کچھ دخل نہ تھا۔

لیجئے ہم کل شام ٹھنڈے ٹھنڈے ہمبرگ پہنچ گئے برلن سے خط نہیں لکھ سکے ہوا یہ کہ ہمارا بڑا بول ہمارے سامنے آگے آیا میونخ میں ہم نے جو موقع باندھی تھی اس پر پانی پھر گیا تھوڑا بہت نہیں پورا بحر اوقیانوس برلن میں ہمارے اسقبال کو جو عفیفہ آئیں ان کو دیکھ کر ہم نے سوچا کہ واپس جہاز کی طرف لوٹ جائیں یا اس سے کہہ دیں کہ ہمارا نام ابن اشنا نہیں ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے یہ جمن لوگ بھی ہمارا دل جیت نہیں سکیں گے ان کو دل جیتنا نہیں آئے گا ذرا سوچئے جس شخص کے ساتھ یہ بی بی گائیڈ ہوں گی وہ کیسے پرو جمن رہ سکتا ہے ہمیں وہ تمام ذیاتیاں یاد آگئی جو ہٹلر نے ملکوم قوموں پر کی تھی۔

میونخ والی بی بی کی عمر ہم نے اٹھا رہ اور چالیس کے درمیان لکھ دی تھی لیکن جی چاہتا ہے کہ ان کو خوش خاطی یعنی خوبصورتی کے نمبر دے دئے جائیں لہذا اسے اٹھا رہ اور اٹھائیں کے درمیان سمجھے بلکہ اٹھا رہ کی طرف زیادہ اس برلن والی گائیڈ کی عمر بھی زیادہ طبیعت سے نہیں بتا سکتے تاہم موٹا سا اندازہ ہے کہ اتنا لیس اور چالیس سال کے درمیان کی ہوں گی بال گدھے کی بالوں کے رنگت کے اور عجب طرح بھرے ہوئے بے ہنگام اس پر ہر تین منٹ بعد آئینہ دیکھتی ہیں ہر پانچ منٹ کے بعد اپس اسٹک لگاتی ہیں چاکلیٹ کا بھی شوق ہے اور پیپر منٹ کا بھی۔۔۔ جامہ زیب ایسی ہے کہ کپڑا بھی اچھا کتنا ہوان کے بدن پر لکھنا شروع کرتا ہم تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کی چرف دیکھیں ہی نہیں نظر میں جھکائے رہتے ہیں ایک بار ان صاحبہ نے اعتراض بھی کیا ہم نے یہ کہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ مشرقی تہذیب کے تقاضے ہیں جیسا ہم کو گوں کی فطرت ثانیہ ہے میونخ والی ویرونیکا کے چہرے کو البتہ ہم اتنا دیکھتے تھے کہ راستے میں جا بجا ٹھوکر کھاتے تھے وہ ٹھوکر البتہ نہیں کھائی جو کھانے کی چھکی۔

ہمارا خیال ہے برلن کی بی بی کے معاملے میں دونوں طرف تھی آگ برابر لگی تھی اگر ہم خوش نہ تھے تو اس کے لئے بھی کوئی خوش ہونے کی وجہ نہ تھی اس کی امیدوں پر بھی تو اس پڑی اس نے سمجھا ہوگا کہ کوئی بڑا ہی ڈان ڈان آرہا ہے کیا عجب کوئی بگڑا مہما راجہ ہو گلے میں سچے موتیوں کی مala اور سر پر پکٹ اپنی طسمی اچکن چکنا تا جہاز سے اتریے جب ڈالروں اور پونڈوں سے لباب بھری وغیرہ لیکن اس وقت اس کے نقطہ نظر سے ہمیں دلچسپی نہیں دوسری بی بی کے ساتھ ہم فوراً ان کے کر سچین نام سے مخاطت شروع کر دیتے تھے اور ان کو اپنا مسلمان نام بتا دیتے تھے کہ فقط پیارے کہ بلانا کافی ہے لیکن ان کو ہم نے پورے احترام سے ہمیشہ مسخر فلاں ہی کہا برلن سے روائی کے روز بار بار فوٹو گرافر کوفون کرتی رہیں ہم نے کہا کا ہے کو بولیں ہماری ایک اکٹھی تصویر ہونی چاہئے ہم نے کہا ہم نام حرمون کے ساتھ تصویر کھنچوں کے قابل نہیں ہماری تہذیب میں اس کی ممانعت ہے۔

ہمبرگ ای پورٹر ہم جس قدم کی لڑکی اپنی پڑی رائی کے لئے چاہتے تھے وہ باہر جنگلے کے پاس موجود تھی اور منظر معلوم ہوتی تھی ہم سیدھے اس کے پاس گئے کہ ہمیں پہچانے گی اور اہلا و سہلا کہہ ٹکر گلے میں باہیں ڈال دے گی۔۔۔ عین اسی وقت مسٹر کیدلین نے ہمارا ہاتھ خام کر گتن تاگ کہا اور کہا کہ ہمبرگ میں یہ بندہ آپ کے ہمراکاب رہے گا۔

اس وقت ہم نے جو گہر انسانس لیا۔۔۔۔۔۔ جانے وہ ما یوسی کا تھا یا اطمینان کا

پھر وہی لندن پھر وہی ہم

پھر وہی لندن پھر وہی ہم لندن ہماری کمزوری ہے لندن سے آتے ہی ہم لندن کے لئے nostalgic ہوجاتے ہیں، ہم گھاٹ گھاٹ کاپانی پی کر اور صحرائے صحراء کی خاک چھان کر اور پھاٹک کر لندن پہنچتے ہیں تو کمر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں مانوس گلیاں یاد آتی ہیں جو ان جن میں کھوئی تھی، ہم نے نہ سہی ہمارے دوستوں نے سہی سب سے بڑی بات یہ کہ مانوس زمان جرمی اور فراشہ میں اشاروں کی زبان میں بات کرنے بلکہ رازی کے نکتہ ہائے دقيق بیان کرنے کی عادت ہو گئی تھی یہاں بھی شروع میں اشاروں سے کام چلانا چاہا مخاطب نے انگریزی بولنی شروع کی تب یاد آیا کہ ہم تو اپنے وطن میں ہیں۔

ہاں سکے کا مسئلہ ہمیں ضرور پیش آیا انگلستان والوں نے ہمارے پچھلے سفر اور اس سفر کے درمیان اپنے سکے بدل دئے ہیں یعنی اعشاریہ کر دیتے ہیں شلنگ کو تو بالکل نکال باہر کیا، ہم شلنگ کا نام لیتے تھے تو لوگ پوچھتے تھے کہ شلنگ کیا ہوتا ہے اس کے علاوہ پینی ہو گئی اور پونڈ بوقوف ہو گئی یعنی جو بنیے ایک اکنی کی ہوتی تھی اب وہ ڈھائی آنے کی ہے اور پونڈ میں ہم اس چیز کو ہم نقطہ دورے سے دیکھ سکتے ہیں جسے پہلے خوید سکتے تھے پھر ہم جو پونڈ کی قیمت اپنے سکے کے حساب سے گنتے ہیں پہلے نئے پنس کو پرانے شلنگوں میں بدلتے ہیں پھر شلنگ کو روپے آنے میں پانی میں منتقل کر دیتے ہیں کہ قیمت کا اندازہ ہو جائے اور بعض اوقات اس میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ دکاندار کا سودا بک جاتا ہے اور ہمیں سکندر کی طرح دکان سے خالی ہاتھ آنا پڑتا ہے یہ نئے سکے بھاری بھی بہت ہیں خصوصاً ہم ایسے ہلکی جیب والے کو تو بہت بھاری معلوم ہوتے ہیں پانچ سارے پونڈ کی ریز گاری کے لئے کسی نہ کسی جانور کی ضرورت پڑتی ہے بھاری ہونے کا ایک فائدہ ہے کہ اس سے بھی بھی جانش جاتی ہے آرستان کے ہنگاموں میں ایک روز لندن زیری میں ایک شخص کے گولی لگی لیکن اس کو کوئی گزندنہ پہنچا گولی جیب میں دس پینی کے سکے پر لگی اور اور اچٹ کر رہ گئی نتیجہ یہ نکلا کہ جس کے پاس پیسے ہے اسکا کوئی بھی ڈر نہیں۔

یوں تو ہم ایسے آدمی کو جس کے پاس پیسے نہ ہو یا بہت کم ہوں ہر شہر مہنگا معلوم ہوتا ہے لیکن لندن اب واقعی مہنگا ہے اس پر لوگوں کی مہماں نوازی کا یہ حال ہے کہ ہمارے آتے ہی پوچھنا شروع کر دیا میاں کب واپس جاؤ گے ہم نے کہا ہمرا آنا کراں اتنا گزرا۔

جواب ملا نہیں یہ بات نہیں تم ملک کی خدمت کا دعویٰ رکھتے ہو آج پھر ملک پر مصیبت پڑی ہے تمہارے ملک کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے کہ یہی بات ہم نے عالی صاحب سے کہی بولے اپنے ملک سے زیادہ خود مجھے اپنی ضرورت ہے لیکن خیر پیسے ختم ہوتے ہی چلا جاؤ نگا۔

لندن کو دیکھا ہے تو اس کے مضمادات کو دیکھنے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لندن انگلستان میں نہیں بلکہ انگلستان لندن میں واقع ہے ہم جس دوست کے ہاں ٹھرے وہاں چار روپے دے کر ٹیوب یعنی زمین دوزریل

میں جاتے ہیں ریل سے اتر کر ایک روپے میں بس لیتے ہیں اس کے بعد کوئی پون میل پیدل چلتے ہیں اگر زمین دوزریل نہ ہو جس کے راستے میں ٹریفک ٹریفک حائل نہیں تو یہ سفر بس وغیرہ میں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا ہے ہاں مرکزی لندن جیسا تھا ویسا ہی ہے اور اور اب ہم بھی اسی طرح راستہ بھولنے ہیں جس طرح پہلی بار جانے پر بھولنے تھے بشرطیکہ کہ نقشہ نہ دکھنیں دراصل ہمیں سمت کا اندازہ نہیں ہوتا گر کسی بغلی گلی سے آکسفورڈ اسٹریٹ پر آ کر اتریں یا آکسفورڈ سرکس کے اسٹیشن سے باہر آئیں تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ماربل آرچ اس طرف کو ہے یا مخالفت سمت میں کئی بار تو آدھ میل غلط سمت میں جا کرو اپس آنا پڑا۔

آکسفورڈ اسٹریٹ پر ہرے رام کرشن والا تماشا ب بھی جاری ہے کچھ انگریز بھادر سر منڈے چوٹیاں رینے کے گلوں میں جنود اے اور ہندو دانہ دہوئی پہنے جس کا پلو اڑ سارہتا ہے ڈھول بجائے جھا ہمیں چھنکائے اور منزہ گاٹھمکتے، ناچتے، کاتے چکر کاٹتے رہتے ہیں دو تین تو مستقل ہیں اڑکیاں بھی لمبے لمبے جھبر جھالے پہنے کھڑتا ہے اس لئے ان میں شامل ہو جاتی ہیں لندن میں اس قسم کے ڈھونگ بہت ہیں سواری لوگ یوگا والے پہلے لوگ ٹھٹک کر دیکھتے ہیں اب دیکھتے بھی نہیں۔

ہم ہر سال اخبار میں پڑھتے تھے کہ لندن میں کڑا کے کی سردی ہوتی ہے لوگوں کی آئس کریم بن جاتی ہے دھند یعنی fog ہوتی ہیں اور دھواں دھار دھند یعنی smog بھی ہوتی ہے جسے آپ ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں دیکھنے ہم بھی آتے ہیں پر تماشانہ ہوا ب دیکھنے نومبر کے اتنے دن گزر گئے وہ دھوپ ٹکتی ہے کہ کوٹ سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے والا یہ زور کی ہوا چل رہی ہے جو شکسپیر کی یاددالاتی ہے۔

چل اے ہوانے زمستان چل اور زور سے چل

تو سرو مہدی ا حباب سے زیادہ نہیں

اتفاق سے ہم جو منی میں بھی ہم نے گرمی اور دھوپ پانی اور فرانچ میں بھی دھوپ کھائی ا نگستان سے سردی کی امید باندھی تھی کہ ہم گرم ملک والوں کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر بھی پانی پھر گیا بلکہ یوں کہے کہ دھوپ پھر گئی ارے بھائی گرمی اور دھوپ ہی درکار ہے تو ہم لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو ہمارے ہاں بھی بہت ہوتی ہیں بلکہ لوگوں کے چہرے پر ٹھی رہتی ہیں ہمارا ایک شعر ہے جانے کس عالم میں کہا ہو گا اور کس کے لئے کہنا ہو گا۔

لکھ پر روپ سے دھوپ کا عالم بال اندر ہیری شب کی مثال

آنکھ نشیلی بات رسیلی ، چال بلا کی بائی ہے۔

دکان اپنی بڑھا گئے

پچھلے سال ۱۹۷۰ء میں ایک صحیح کے سارے اخباروں میں یہ نوید تھی۔ کہ لندن میں اتنی وجہ روڑوڑ کے مابین روڑ والے، ناکے پر ایک طرفہ دوکان کھلی ہے جس کا نام سمرز ہے۔ یہ نام مس ایسے سمرزنامی ایک ۲۹ سالہ دو شیزہ نے اپنے نام پر رکھا ہے، سیکس شاپ (six shop) قریب قریب بھی اخباروں نے جن میں ٹائمس بھی شامل ہے۔ لمبے لمبے کالم لکھ کر لوگوں کی آتش شوق کو بھڑکایا۔ ہم ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ ہماری طبیعت میں آگ وغیرہ نہیں ہم جو پہچیا یہ حق کے متلاشی اخبارنویں کے طور بدل گئے تھے تاکہ مغرب کی بے راہ راوی کے اس نئے مظاہرے کو دیکھ کر اس پر فرین کر سکیں اس پر ایک عبرت بھرا کالم لکھ سکیں اور مشرق کی حیا اور عفت کی روایات کو سراہ سکیں۔ ہمارا بس چلتا تو ہم اس بی بی کو وہیں کھڑے کھڑے نصیحت کرتے اور معاشرے میں عورت کے صحیح مقام سے آشنا کرتے تھیں وہاں ہجوم پکھزیادہ تھا، ہم نے طے کیا کبھی اس سے تہابات کرنے کا موقع ملا تو تفصیل سے سمجھائیں گے۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے کسی کو ملامت کرنا یوں بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔

دیکھا کہ کچھ بھی اندر ہے کچھ بھی اندر ہے۔ باہر کوئی دوسو آدمیوں کی لائے لگی ہو گی کیونکہ دس دس آدمیوں کو اندر جانے کا ازان ملتا تھا۔ ہم گھنٹہ بھر تو کھڑے رہے لیکن جب وقت قیام آیا تو سجدے میں گر گئے یعنی باری آنے سے پانچ منٹ پہلے دکان کے شیشے میں سے مطر دیکھ کر لوٹ آئے ہمیں ایک کام یاد آگیا تھا۔ جیسا کہ عام موقع پر یاد آ جایا کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم مشرق ٹکینوں کیلئے جن کے ہاں کوک شاستری اور اکسیری دواخانوں روایات بہت پرانی ہے۔ وہاں جی اٹکا نے کو خاص چیز نہ تھی شیشوں پڑوں کچھ دوائیں تھیں۔ جن کے استعمال سے شباب رفتہ لوٹ آتا ہے نامرد مرد، مرد جوان مرد ہوتا ہے یا پھر کچھ کتابیں تھیں سات، سہلوں کی داستانوں کی قسم کی جو یوں بھی سو ہو کے نواحی کی دکانوں میں کھلے عام مل جاتی ہیں اس خوش جمال اور خوش تقریبی بی نے جو تقریباً افتتاحی موقع پر کی وہ ہم نے اخبار میں پڑھ لی تھی انہوں نے افتتاح پر جو جام تجویز کیا وہ اس نام سے تھا جنس محبت اور نشاط ولذت کے نام شادی شدہ لوگوں کے لئے بھی اور بلا شادی لوگوں کے لئے بھی کسی نے پوچھا بلا شادی سے کیا مطلب ہے مس سمرز نے اپنے کھنے سرخ بالوں کو پھرا تے ہوئے کہا میں مکمل جنسی آزادی کی قائل ہوں زندگی زندگی ہے اور محبت محبت ہے زندگی اپنی جگہ محبت اپنی جگہ۔

فرمایا مس اپنے سمرز نے کہ میں ایک دفتر میں سیکریٹری تھی جب عمر عزیز کے ۲۷ سال گزر گئے تو جی میں آئی کہ کچھ کرنا چاہئے کچھ کر کے دکھانا ہے جس سے نام روشن ہوا تفاق سے میرا جمنی جانا ہوا میں نے بیٹھا و سے beate usse میں کمپنی کی دکانیں دیکھیں معلوم ہوا پچھلے سال ان مصنوعات کے خورپوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی مجھے خیال آیا کہ انگلستانوں والوں کا بھی بھلا ہونا چاہئے اب اس دکان میں جرمی کے دیگر آلات اور مصنوعات بھی میں گی جن کا مقصد وہی ہے جو دواؤں کا ہے مس صاحبہ نے فرمایا ساری چیزیں آپ کو شہر کے مختلف کونوں کھدوں کی دکانوں میں ضرور مل جائیں گی لیکن بھرے بازار میں ایسی فیشن ایبل جگہ پر پہلی بار ان کی دکان گی

میرا رادہ شہر کے بڑے بازاروں میں ایسی ایسی پچاس دکنیں کھولنے کا ہے دکان کے لئے انہوں نے سپر مارکیٹ کا لفظ استعمال کیا ایک کتابچہ بھی انہوں نے چھاپ رکھا ہے جس کے سامنے کے سروق پر ایک بڑہ جوڑا اور پشت کے ٹائپل پر ان کے کپڑے ہیں جو تصویر ہے خپواتے وقت اتارے گئے تھے اندر اس کے پیشک دواوں کی فہرست بھی ہے وہ خود اس کمپنی کی مینگ ڈائرکٹر ہیں اور ان کے میگیٹر ان کے مدگار ہیں اور تو سب کچھ ہماری سمجھ میں آگیا لیکن یہ نہ آیا کہ مکمل جنسی آزادی میں میگیٹر کیا جگہ ہوتی ہے شاید مطلب بواۓ فرنید ہو۔

اپنے سمرز کی دکان کو ہم فراموش کرچکے ہیں کہ آج یہ خبر سامنے آئی۔

اپنے سمرز لمبیدنے جو جنسی دکانوں کے سلسلے کی مالک ہے
دیوالہ نکال دیا ہے اس فرم کے سراب تک ساٹھ ہزار پونڈ قرضہ ہو چکا ہے اب یہ کار و بار بند ہے وہ جو بچتے تھے
دواۓ دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

وہ بھی خیریت سے ہیں ہم بھی

کراچی میں ہم ہر کوئی یہ پوچھ رہا ہے کہ لندن سے آئے ہو عالی جی کی سناؤ کہ کہاں ہیں کس طرف کو ہیں کدھر کو ہیں اگر کچھ نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور کچھ کر رہے ہیں تو کیا کر رہے ہیں بعضوں کا تو یہ خیال ہے کہ ہم گئے ہی انجھیں منانے تھے کہ آجاؤ غصہ ہوک دو قوم ک تمہارے غم میں براحال ہے پٹختیاں لکھا رہی ہے وغیرہ گزارش ہے کہ عالی صاحب لندن میں ہیں اور وہی کچھ کر رہے ہیں وہ بھی قوم کے درد سے بے حال ہو رہے ہیں ہم بھی ملت کے غم میں نڈھاں ہو رہے ہیں وہ کالموں میں دشمنوں کو لکار رہیں ہم ریڈ یو پر ڈچمن کو لکار رہے ہیں کاے برہمنی سامراج ٹھڑ تو سی ہی تیری دم میں نمدا وطن کے سچیلے جوانوں کے لئے ان کے پاس بھی نفع ہیں ہمارے پاس بھی خندقیں نہ وہ کھود رہے ہیں نہ ہم کھود رہے پہیں بندوق کے فریب جاتے ہیں وہ بھی ڈرتے ہیں ہمیں بھی پرہیز ہے القصہ وہ بھی خیریت سے ہیں ہم بھی خیریت سے ہیں البتہ ایک کام ہے جو ہم کر رہے ہیں اور وہ نہیں کر رہے ہیں اور ذخیرہ تروزی نہیں کر رہے ہیں اگر بھیزوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان کے بیان جنگ یا ایک جنسی کے دنوں میں ایک قسم کی باتوں کارواج نہیں یہ سچ ہے کہ ہمارے حساب سے سے اہل فرنگ میں نیکی اور نیک چلنی کا فقدان ہے کیونکہ شراب اکثر میتے ہیں گوشت بھی حلال یعنی ذنکے کا نہیں کھاتے پر دے کا بھی چند اس خیال نہیں دکانداروں کے ماتھوں پر نماز کے لئے اور ہاتھوں میں شیع بھی نہیں یعنی ان کی عاقبت کا معاملہ مشکوک ہے لیکن ملاوٹ کا کاروبار وہاں نہیں ہے دودھ، دہی، مکھن خالص ملتا ہے چائے کی پتی بھی چنے کا چھلکا نہیں ہوتا نہ ہلدی اینیٹیں ہوتی ہیں چینی دکانوں سے پلک جھپکنے میں غائب نہیں ہوتی نہ آٹا ٹھیں جاتا ہے حتیٰ کہ لوگ مینکے ڈھکنے تک نہیں چراتے۔

پیارے یہ ہمیں سے ہو، ہر کارے دہ مردے

پیرس سے وہ ہمارے پیرس پکھنے سے پہلے چل دئے تھے انگلستان میں ہم نے عالی صاحب کو جا پکڑا بغل گرے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو روں ہیں لیکسی ہدم ریرینہ سے مت بعد ملنے کا شر ہونا لازمی ہے ہم نے کہا کوئی بات نہیں اب ہم یہیں رہ جائیں گے تم کو اس ہونے نہیں دیں گے انھوں نے اس امکان سے خوف زدہ ہو کر کہا نہیں پہ بیت نہیں ہم نے کہ پھر ملک کے حالات کا خیال آرہا ہوگ آپ کے کالموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی حالت واقعی تسلی بخش نہیں مادی اور اخلاقی لحاظ سے اصلاح کی بڑی گنجائش ہے لیکن اس پر رونے دھونے سے کچھ نہیں بنتا حوصلہ رکھنی پکن سے آنسو پوچھ کر بولے یہ قصہ بھی نہیں بات یہ ہے کہ میں باور پی خانے میں کھڑا پیاز کاٹ رہا تھا ہم نے کہا وہ کیوں بولے بولے گوئی گوشت میں ڈالنے کے لئے کھانا کھا کر جانا ہم نے کہا خود پکائیے گا بولے دیکھتے جاؤ بلکہ اپنی کرسی باور پی خانے میں لے آؤ۔

ہمارے عالی صاحب جن کو یہاں ہر کوئی بیکار آدمی سمجھتا ہے والا یت جا کر کام کے آدمی بن گئے ہیں ہم ایک دور اپیں ان کے سایہ ایک ہی مکان کی چھت کے تلے رہے ہیں ہم نے انکو آدھا وقت وطن کی فکر میں

غلطائی اور آدھا وقت امور خانہ داری میں مصروف پایا کشیدہ کاری تو خیر انہوں نے نہیں سمجھی لیکن کھانا بڑے سگھڑاپے سے پکاتے ہیں واضح رہے کہ ولایت میں بیرونی، خساروں، نوکروں، چاکروں، مامتوں، اصلیوں اور آبداروں، خاصداروں قسم کی چیزیں گھروں میں نہیں ہوتی ہر شخص آپ ہی خاقدام آپ ہی مخدوم ہوتا ہے اپنے گھر کے جمدادار کے فرائض تک خندہ پیشانی یا غیر خندہ پیشانی سے خود سرانجام دیتا ہے اپنی قمض اور موزہ بنیان خود ہوتا ہے اپنا آلو گوشت خود پکاتا ہے وہ اپنا انڈہ خود تلتا ہے ہماری مراد ہے اپنے لئے انڈا کیونکہ ولایت جا کر آدمی کتنا ہی بدلا جائے اتنا بھی نہیں کہ ابڑے دینے لگے ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ عالی صاحب شعر لکھنے کے علاوہ کسی کام کے نہیں اور شعر لکھنا بھی کو نسا کام ہے ہمارے ملک میں ہر کوئی لکھ لیتا ہے اور لکھتا ہے ہاں کھانا پکانے کو ہم بلکہ ہنر جانتے ہیں اور جس طرح کا میں ہو مکال اچھا ہے یورپ نے ساری ترقی ہنر کی وجہ سے کی ہے۔

ہمیں ولایت میں اجاگرا حساس ہوتا ہے کہ ہمارا نظام تعلیم کتنا ناقص ہے لوگ دفع القنی کے لئے ڈگریاں لے کر گھر میں پیچ جاتے ہیں وہاں اولیٰ تعلیم ہی میں ٹسٹ کے ذریعہ ہر شخص کی طبعی صلاحیت اور رجحان کو جانچتے ہیں ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ جو شخص اچھا خانہ مان بن سکتا ہے اسے شاعری پر مامور کر دیا اور جو اچھ شاعر بن سکتا ہے اس کے ہاتھ میں کڑھجہادے کہ چل دیگ پکا اور بکھار لگا وائیچ رہے کہ ہم جو عالی صاحب کے ہاتھ کے کھانے کی تعریف کر رہے ہیں انکی شاعری کی خوبیوں سے منکر نہیں وہ شاعری بھی اچھی کرتے ہیں۔

ولایت میں یہ بات البتہ ہے کہ ہر کام بھلی سے یا مشین سے ہوتا ہے چولھا بھلی سے چلتا ہے کپڑے مشین سے دھلتے ہیں گھر کی صفائی بھی مشین سے ہوتی ہے ہمارے عالی صاحب اپنے کمرے میں جھاڑو لگاتے ہیں وہ بھلی ہی کی جھاڑو ہے یہ سارے کام کر کے اور پلیٹیں دھو کر آدمی نہاتا ہے اور نہا کر کپڑے سے ٹب کو خود ہی صاف کرتا ہے اگر اسے صاف کرنے کے عمل میں پھر گندہ ہو جائے تو پھر نہا سکتا ہے اور پھر دوبارہ ٹب صاف کر سکتا ہے کپڑا اس عمل میں گندہ ہو گیا ہے تو اسے واشنگ مشین میں ڈالئے اور دھلکھلے بے شک اس سے مشین گندی ہو جائے گی لیکن اسے اسی کپڑے سے صاف کیا جا سکتا ہے اور دوبارہ اس اس کپڑے کو اسی مشین میں دھوایا جا سکتا ہے بعض لوگ تو عمر بھر یہی کرتے رہتے ہیں پاں نہ کام کرنا کسر گنا جاتا ہے نہ اپنا سامان خود اٹھانانہ بس میں یا ٹیوب میں بیٹھنا مزدوری اس طرح نہیں دی جاتی جس طرح غریبوں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے نہ سیٹھ اگڑ کہتا ہے ارے ہمارے قدم چومو ہماری جبالوطنی دیکھو ہم لوگوں کو ایمپلائرمنٹ فرائم کرتا ہے۔

آوارہ گرد کی واپسی

ملے گئے، مدینے گئے، کربلا گئے، جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آگئے یہ ہم اپنی بات کر رہے ہیں کہ پیوس، برلن اور لندن کی کوچہ گردی کر کے اور بتان افرنگ کا کچھ نہ بگاڑ کرو ہیں لوٹ آئے ہیں جہاں سے جلے تھے لیکن ہم اپنی قوم سے الگ تھوڑا ہی ہیں وہ بھی تو ہر چند برس بعد لوٹ کرو ہیں آجائی ہیں جہاں سے چلی تھی ایشن آئین جمہوریت وغیرہ کا کام ہمارا کل وقت کام ہو ہیا ہے اس چکر میں مادی ترقی بے شک ہم نے زیادہ نہیں کی کیونکہ ایک تو مادی سے الحد وغیرہ پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے دوسرے چندان ضرورت بھی نہیں یعنی کیونکہ جب چاہیں جس سے چاہیں ہم ایڈ یعنی امداد لے سکتے ہیں ہاں جمہوریت اور آئین سازی میں ہم نے وہ مہارت بھی پہنچاتی ہے کہ اگر لکھواۓ کوئی ان کو خط تو ہم سے لکھائے باقی قویں ایک آدھا آئین بننا کر بیٹھ جاتی ہیں انگلستان والے ابھی تک میکنا کارٹس سے کام چلا رہے ہیں اور امریکہ کو بھی جو ہر سال کاروں کے نئے ماذل نکالتا ہے ایک سے زیادہ آئین بنانے کی توفیق نہیں ہم کو نوزاںیدہ مملکت ہونے کے باوجود اب تک تین آئین بننا کر پھینک چکے ہیں اور مزید کی تمنار کھتے ہیں خیر یہ تو ہم اپنی آوارہ گردی کی ترنگ میں کہیں کے کہیں نکل گئے مقصود کلام یہ ہے کہ اپنی قوم کی بے لوٹ خدمت کے جذبے نے ہمیں لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے اس کے علاوہ پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔

بعض لوگوں کو یہ بھی گمان ہوا کہ ہم اندر اجی کے پچھے پچھے گئے تھے پچھے پچھے کا وہ مطلب نہیں جو آپ سمجھے ہیں ہمیں اپنے چال پر کبھی شبہ نہیں ہوا بایں ہم یہ بات اپنی جگہ ہے کہ ادھر وہ وطن سے نکلیں ادھر ہم وطن سے نکلے جہاں جہاں وہ پدھاریں ہم نے بھی قدم رنجہ فرمایا اور جس تاریخ وہ دلی واپس پہنچیں اسی تاریخ کو ہم نے کراچی کے ہوائی اڈے پر نزول اجلال کیا یہ تھج ہے کہ انکا جانا زیادہ مشہور تھا ان کے متعلق ولایت کے اخباروں میں بہت کچھ چرچا ہوا کہ کس سے تیں کس سے بات کی کس سے کیا مانگا اور کس نے کس طرح دھتنا بتایا ہم بھی لوگوں سے ملے اور کچھ نہ کچھ بات کی ہم نے بھی بعضوں کی طرف حسن طلب کی نظر کی اور ہمیں بھی دھتنا بتایا گیا لیکن ہماری کوئی بات اخبار میں نہیں آئی اس لئے کہ ہم ہمیشہ نام و نمودار شہرت سے دور بھاگنے خود نہ بھاگے تو لوگ بھگا دیتے ہیں۔

یہاں آن کر یہ دیکھ کر البتہ خوشی ہوئی کہ ہمارے ہدایت نامے پر ہمارے پیارے ہم وطنوں نے حرفاً حرف عمل کیا ہے اس کی خلاف مرضی کی کوئی مثال ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئی ناظم آباد کی سڑک پر جو پتھر پڑے تھے اب بھی پڑے ہیں بلکہ اور پڑھ رہے ہیں ہمارے گھر کے ساتھ جو کوڑے کا ڈھیر ہے اب بھی وہی ہے بلکہ برابر پھیل رہا ہے یہ بات نہیں کہ کار پوریشن کے حکام صحت پڑھے لکھے نہیں یا جنگ اخبار نہیں پڑھتے ضرور ان کو ہماری خاطر منظور ہے ورنہ تو اس شہر میں یہ عالم ہے کہ ادھر کوئی چیز رکھی ادھر اس کا

صفایا ہوا پاپونگر کے سامنے جو قبرستان ہے جو کنوں نما ہول ہے اس پر بھی ڈھکن نہیں لگا کیونکہ ہم منع کر گئے تھے ہاں ایک آدھا آدمی کو جو اس میں گر کر مرناتھا اور قبرستان کے قرب سے فائدہ اٹھانا تھا یہ بات نہیں ہوئی لیکن اس میں کار پوریشن کے محلہ صحت و صفائی کو اڑام دینا درست نہ ہو گا یہ اس نے مرنے والے کا انفرادی فعل ہے۔

رمضان شریف کے بارے میں بھی ہماری ہدایت کا کما حصہ اثر ہوا کہ لوگ نیک مسلمان بن گئے ہیں اور شعار اسلامی کا خیال رکھنے لگے ہیں جو ہوٹل چوپٹ کھلا ہواں کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا جم غیر روزے کا احترام کرنے والے پرده نشین ہوٹلوں میں ہوتا ہے شراب خانے بھی بند ہیں پر مٹ پر پینے والے یہاں ورما پوس العلاج لوگ گھروں میں بیٹھ کر پیتے ہیں ہم صرف کراچی کی حد تک ذمہ دار ہیں داؤ د کے متعلق اخبار میں کسی نے شکایت کی ہے کہ وہاں شراب خانے کھلے ہیں یہ بری بات ہے رمضان میں بے ایمانی کرنا اور جھوٹ بولنا بھی ٹھیک نہیں رمضان شریف میں بدمعاشی کرنا بھی ناجائز ہے نائٹ کلبوں میں عریاں ناقص گانا بھی رمضان کے مبارک مہینے میں نہ ہونا چاہئے حاشاد کلاہم ان میں سے کسی چیز کے خلاف نہیں فقط یہ کہ رہے ہیں اس ہل دین داش کی طرف سے ایک مہینے کے قدس پر اتنا زور دیا جاتا ہے اور رمضان میں برائیوں سے بچنے کی اس طور پر تلقین کی جاتی ہے کہ لا محالہ خیال ہوتا ہے باقی گیارہ مہینے میں پکھ کر لیا جائے تو چند اس ہر ج کی بات نہیں سال بھر میں ایک مہینہ نیک ہونے کے لئے کافی ہے خضوع و خشوع سے جتنا قرآن پڑھنا ہے وہ بھی اسی مہینے میں پڑھ لو پھر اگلی رمضان تک کی چھٹی واقعی کو گوں نے اپنے اسلام کے ڈھانچے میں ڈکالنے کی بجائے کہ اس میں ذرا محنت پڑتی ہے اسلام کو اپنی زندگی کے ڈھانچے میں ڈھال لیا ہے شاباش جیتے رہو۔

Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com

جاپان ہانگ کانگ

جو لائی ۲۷۱۹ء

Virtual Home
for Real People

وطن کی آگ دلیں کی برق کھا

ہم نے جب ملک سے باہر قدم نکالتا یہ کہاں گمان کیا تھا کہ واپس آئیں گے اپنے شہر کو جس سے ہمیں بکمزلہ عشق لگا ہے یوں اہولہ ان پائیں گے جس شہر کے لئے ہم نے کبھی لکھا تھا۔

مری حیرتوں کاروما
مری حسرتوں کی دلی
مری وحشتتوں کا صمرا
مرابدہ کراچی
مجھے اور کون جانے
ہیہیدے تو دے گواہی
کہ حسین صورتوں سے
یہاں ہر گلی بھری تھی۔۔۔۔۔ وغیرہ

جس روز ہمارے صدر محترم ہندوستان کی وزیر اعظم کے ساتھ قرارداد شملہ روستخط کر رہے تھے ہمارے قدم بھی نئی دہلی کی سر زمین پر تھے شہر میں نہ سہی نئی دلی کا ہوائی میدان اور ٹرانزٹ لارنچ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر بہر حال بھارت کی سر زمین ہی کا حصہ ہے،

اے آب رد گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

ہمارے شاعر کا یہ شعر پرانے اور بھلے وقتوں کا ہے اقبال نے اس کارواں کو یہاں اترتے تو دیکھا تھا یہاں سے کوچ کرتے نہیں دیکھا تھا۔

ٹوکیو میں ہم پہلی صحیح سو کر اٹھے حالانکہ اس کے سات بجے کا مطلب یہاں تین بجے شب تھا تو ا خبار میں شملے کی بیل منڈھے چڑھنے کی نوید تھی جس کا کافرنس میں ہم تھے اس میں ایشیاء کے چودہ اور ملک تھے سب نے خوشی کی قرار دار پاس کی اور اس میں ہمیں اور ہندوستان کے نمائندوں کو مبارک بادی اس سے اگلے روز کا اخبار کو ریا کے دونوں حصوں میں یکجا تی کے امکان کی خبر لایا اب سب نے کو ریا کے نمائندے مسٹر ہاب کو بدھائی دی اس سے اگلا روز جاپان کے لئے خوشی کا دن تھا کہ مسٹر تنا وزیر اعظم ہو گئے جن کی آزاد خیالی سے چین کے ساتھ تعلقات استوار ہوئے نظر آئے ہر روز کی تازہ نوید سے ہم نے پہ خیال کیا کہ یہ ہمارے ملک سے باہر ہونے کی برکت ہے ہم اپنی حکومت کو لکھنے والے تھے کہ ہمیں ملک سے باہر ہی رکھے تو اچھا ہے اس میں ملک و قوم بلکہ ساری دنیا کا بھلا ہے لیکن اگلا سینچر جو آیا تو کراچی کے ہنگام کی خبر لایا تکنیو میں انگریزی کے تین صحگا ہی اخبار ہیں

جاپان، ٹائمنز، ڈلی میں اچی اور ڈلی یوموہاری جسے ہم جمہوری کے نام سے یاد رکھتے ہیں پاکستان کا ریڈ یو تیہاں سنائی دیتا تھا البتہ ہم ابھی اخباروں کے صفحوں میں تازہ خبر تلاش کرتے تھے کسی روز تو ایک سطربھی نہ ہوتی تھی کسی روز دور از دور پہلے کی بانی بولتے تھے فین کا مطلب ایسٹ یا ریڈ یو پروگرام مشرق عبید کے علاقوں میں داد پچاعت دینے والے کی نامزدگی کا ہنگامہ تھا اسی ذکر میں اس کا خبروں کا وقت تمام ہو جاتا تھا غرضیکہ خبروں کی از حد پیاس تھی اضطراب تھا پاکستان سفارت خانے کا ذریعہ معلومات بھی مطبوعہ اخبار ہی تھے آخوندی روز جاپان ٹائمنز نے لکھا کہ ۵۳ آدمی ہنگاموں کی نظر ہو چکے اور کراچی سے آگ دوسرے شہروں تک پہنچ گئی یہ سطربھی ہم وطن سے کئی ہزار کوس دور ہانگ کا نگ میں لکھ رہے ہیں دیکھتے ہمارے پہنچ تک کیا ہوتا ہے اور آج یہاں سے چل بھی پاتے ہیں کہ نہیں کیونکہ ریڈ یو ہانگ گانگ دمادم آج شام اسی بحری طوفان کی آمد آمد کی خبر دے رہا ہے جس نے پھٹلے دنوں اس بستے میں قیامت صغری برپا کی تھی خطرے کا سنگل ۲ ہو چکا ہے ہمیں میکا وجانا تھا جو پیچاں کوں دور ایک پر تگالی مقبوضہ ہے لیکن وہاں کے لئے سمندری آمد روفت منع ہو گئی بلکہ کوں لوں اور جزیرہ ہانگ کا نگ کے درمیان فیری بھی کم کم آجار ہی ہے کسی بھی لمحے بند ہو سکتی ہیں ایک حشر کراچی میں برپا ہے ایک ہمارے سینے میں اور ایک سمندر کی پہنائی پر دندنار ہاہے آتے آتے زاویہ بدلتے اور کنی کاٹ لے تو اچھا ہے ورنہ پھر ہم اور ہانگ کا نگ کو ہم بہت دیکھ پہنچے ہیں اور اس کے متعلق بہت کچھ کچھ لکھ پہنچے ہیں اس وقت ہانگ کا نگ کی باتوں کا کسے دماغ پے باہر بازار میں گرمی اور ہمس کا دور دورہ ہے کل شام ہمارا جی گھبرا یا تو نکلے اور فیری میں سوار ہو کر ہانگ کا نگ پہنچ گئے جنہوں نے یہ دیکھا وہ اس کا جغرافیہ سمجھ لیں اس کے دو حصے ہیں ایک کوں جو سر زمین چین کی انتہائی جنابی نوک ہے آپ اسے کیماڑی کہہ لیجئے دوسرا ہانگ کا نگ جو جزیرہ ہے آپ منورہ پر قیاس کر لیجئے لیکن اس کی خوبصورتی اور رونق کے کیا کہنے ہوائی اڈہ کوں وائل حصے ہی میں ہے جس کو ہانگ کا نگ جانا ہو وہاں ٹھرنا ہو ہم پچھلی بار وہیں ٹھرے تھے وہ اترے اور فیری یعنی بیڑی میں سوار ہو کر اس پار جائے کاروں کے لئے ایک بیڑی الگ چلتی ہے یہ انتظام ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے لیکن اب ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے سمندر کے نیچسراں گ بنا دی گئی ہے زرکشیر کے خونج سے مکمل تو ہو گئی ہے لیکن اب اس کا افتتاح ہونا باقی ہے آج کل ہو رہی ہے ہم سمجھتے ہیں ہمارے یہاں سے جانے کا انتظار ہے اچھا صاحبو ہم یہاں سے چلتے ہی جائیں گے ہم کون سا یہاں رہنا چاہئے ہمارا دل بھی تو کراچی میں اٹکا ہے ویسے تم کہتے تو ہم اس کا افتتاح کر دیتے کسی اور کو بلانے کی ضرورت نہ پڑی۔

سب سے پہلی گاڑی جو سرکاری طور پر اس سرگنگ میں سے گزرے کی وہ ۱۸۹۹ء کی بنی ہوئی ایک فٹ یہ یہ خاص اسی مقصد کے لئے اٹلی سے یہاں منگائی گئی ہے ۱۹۲۳ء میں اٹلی اور سویز لینڈ کے درمیان اپس کے نیچے جو سرگن بے اس کا افتتاح بھی اسی نیک بخت نے کیا تھا سرگن بنتے سے آسانی تو بہت ہو جائے گی لیکن بیڑی کے سفر کا سالطف اس میں کہاں ہے۔

کراچی کے ہنگامے اور فساد کے بڑے اخبار سا تو چانما نگ پوسٹ میں آخری صفحے پر ہے اور وہ یہ کہ کرفیو کے باوجود لسانی فساد کے پانچویں روز بھی کراچی اجری بھری سڑکوں اور گلیوں میں مشین گن کی ترڑڑ اسنائی دیتی رہی البتہ پہلے صفحے پر ایک خبریں پاکستان کا نم زیادہ نمایاں طور پر آیا ہے چار کالمی سرخی میں تصویر بھی ہے جس میں ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی ماچس دکھائی گئی ہے ہم یہی سمجھے کہ آتش زنی کی وارداتوں کی چرف شارہ ہے سرخی ہی کچھ ذر معنی تھی snap sticks match sticks pakistan کے ذکر فقط ماچس کا ہے ماچس کی کارستانیوں اور بتاہ کاریوں کا نہیں خلاصہ خلاصہ خبر کا یہ کہ ہانگ کا نگ کی ماچس فیکٹریوں کو پاکستان کے تاجریوں نے دیا سلامی کے اتنے آڑوں بھیجے ہیں کہ یہ فیکٹریوں اور ٹام لگا کر بھی اسے

پورا نہیں کر پاتیں جو کچھ بناتی ہیں پاکستان بھواری ہے جتنی کہ ہاگ کا نگ میں ماچس کا کال پڑتا جا رہا ہے یہاں ہر دکان دار گاہک کو مفت ماچس پیش کی جاتی ہے اب دکانوں اور ہوٹلوں والے آپ کا سگریٹ سلمن کر جاتی ہے اب دکانوں اور ہوٹلوں والے آپ کا سگریٹ سکگا کرباقی ماچس اپنی جیب میں رکھتے ہیں اگلے بارہ ماہ کے لئے آرڈر بک ہیں یعنی سارا سامان آتش زنی کا پاکستان ہی بھیجا جائے گا خدارم کرے اور یہ بایس ہمہ ہیں کہ پاکستان میں آج کل ہاگ کا نگ کے علاوہ بھی ہر ملک کی ماچس چل رہی ہے ہر ٹھیکان پر نیا برانڈ اور اس پر کسی نئے ملک کا ٹھپسہ حالانکہ اس وقت ضرورت آگ کی نہیں پانی کی ہے اس بھڑکی ہوئی آگ کو بھانے کے لئے۔

اب ہم قلم ہاتھ سے رکھتے ہیں باہر بارش ہو رہی ہے فضا تو کل ہی سے دھواں دھواں ہے دیکھنے کتنا بستا ہے سودا کا شہر آشوب یاد آ رہا ہے

پہ جی میں آتی ہے یوں روئے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

ضرورت ہے ایک گدھے کی

ہمارے پرانے اور عزیز دوست ابوالخیر کشفی بھی آج کل جاپان میں ہیں لیکن ٹوکیو میں ہیں ان کی فرمائش ہے کہ اوسا کا آؤ اور یہاں سے کیوٹ اور نارا چلیں کہ اصل جاپان کے تہذیبی وارث یہی شہر ہیں اور سا کام اپنے ائیر ٹکٹ پر بھی جاسکتے ہیں لیکن ان کی ہدایت ہے کہ ہکاری میں آؤ جاپان کی یہ گاڑی گولی کی رفتار سے چلتی ہے اس کو بلٹ ٹرین بھی کہتے ہیں ایک تو ہمارا جی آرام کی طرف مائل ہے پھر ایک پہاڑی مقام ہا کونے ہمارے پروگرام میں پہلے سے شامل ہے اور پھر یک طرفہ سفر بھی ہمارے حساب سے سواروپے کو ہو جتنا ہے جو پرنس میں ہمارے لئے زیادہ ہے اور پھر کراچی کی بھی فرک ہے لہذا کشفی صاحب کو فون کر دیا کہ یا ر عزیز تم خود ہی پہنچو ہم کراچی سے تو کیا تم وسا کا سے یہاں تک نہیں آ سکتے۔

جاپانیوں کے پاس صنعت و تجارت کے طفیل اتنے پیسے جمع ہو گئے ہیں ڈالر پونڈ وغیرہ بھی کہ حکومت خود لوگوں کو شوق دلاتی ہے کہ بھائیو ملک سے باہر جاؤ اور پیسے خوچ کرو ہر جاپانی کو آ مروفت کے خوچ کے علاوہ تین ہزار ڈالرنی کس خوچ کرنے کی کھلی چھٹی ہے اہل پاکستان سے ہمیں کہتا ہے کہ کھیت کو دیلوپمنی اب بہرہ ہی ہے گنگا ذرا کاغان وغیرہ کی تشویش یہاں ہو جائے تو ملک کو بھی فائدہ پہنچ اور پی آئی اے کو بھی پوسوں پر لے روز سیاحت کے محلے کے ایک پاکستانی حاصل یہاں تشریف لائے تھے وقت ان کے پاس کم ہی تھا رات کے نوبجے آئے اور صحیح نوبجے تشریف لے گئے کوئی اس سے زیادہ ضرری کام ہو گا سفارت خانیوالوں نے یہاں کے وزیر سیاحت یا نائب وزیر سیاحت سے ان کو بلا یا پاکستان اور جاپان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بات ہوئی جاپانی وزیر نے کہا کہ اگر پاکستان کو جاپان سے روشناس کرنا ہے تو ایک گدھا بھیج دیجے حاضرین نے بات کو نہ کر ٹال لنا چاہا لیکن موصوف اسی پر مصروف تھے کہ ہاتھی نہیں مانگتے گھوڑا نہیں مانگتے ہم کو تو گدھا چاہئے۔

اے صاحبو پاک وطن کے رہنے والوں یکھو دوسرے ملکوں میں گدھے کی کتنی مانگ ہے کتنی وزت ہے امریکہ میں ڈیموکریٹک پارٹی کا توانشان ہی گدھا ہے ادھر ہم ہیں کہ اپنے ملک میں گدھوں کی حماقہ قدر نہیں کرتے بعض لوگ تو گدھوں کو جو ہمارے ہاں ہر شعبہ زندگی میں بھردوے تھقیر سے بھی دیکھتے ہیں اور اکثر تو گدھے گھوڑے کی تمیز بھی اٹھاتے ہیں دونوں کو ایک لٹھی کے ہانئے لگتے ہیں حالانکہ گھوڑا اسائے دکٹور یا کھنچ اور ریس میں دوڑنے کے کس کام آتا ہے سو دکٹور یا ختم ہو رہی ہے اور ریس کو ہم خود ختم کرنا چاہتے ہیں گدھا اس کے مقابلے میں مجھ صفات ہے معصوم نیکدل---برد باد---لدو۔ جن صاحب نے ہمیں یہ ٹفتگو سنائی ان سے ہم نے کہا کہ گدھوں کو تو ہم باہر بھیجتے رہتے ہیں بلکہ ہمارے ملک سے باہر جانے والوں میں اکثر گدھے ہی ہوتے ہیں ان صاحب نے کہا جاپانی وزیر کی مراد واقعی چارٹانگوں والے سچ بچ کے گدھے سے

تھے جاپان میں گدھے نہیں ہوتے یہ گدھا چڑیا گھر میں رکھا جائے گا جاپانی بچے اسے ذوق و شوق سے دیکھیں گے اور پوچھے گے کہ یہ کہاں پایا جاتا ہے جواب ملے گا پاکستان میں اور وہ یوں پاکستان سے روشناس ہو جائیں گے اور یاد رکھیں گے کہ پاکستان بھی ایک ملک ہے وہ ملک جس میں گدھے پائے جاتے ہیں اور افراط سے پائے جاتے ہیں

www.HallaGulla.com



**Virtual Home
for Real People**

کہا جاپاں کو جائیں کہا جاپاں کو جاؤ

آرے سے گئے نوح تو نارے آئے
نارے سے گئے نوح تو آرہے آئے

یہ شعر اردو کے طوفان بدوش شاعر ناروی مرحوم کا ہے اللہ اللہ ہی طبیعت کی روائی نارے کے یہ رہنے والے تھے اور آرے ہیں ان کی سرال تھی اس آمد و رفت میں ان کی زندگی تمام ہو گئی ٹوکیوں میں ہمارا بھی یہی حال تھا ہمارا نارا ہو ٹل گینڈ پیلس تھا جو بالکل نیا نکور ۲۳ منزل کا ہے اور ہمارا آرہ کیدن رن کا یکان بلڈنگ کوئی دو میل دور جس میں ہماری میٹنگ ہوتی تھی نہ اس بلڈنگ کا نام ہمیں بھی پاد ہوا اس وقت ڈائری دیکھ کر لکھ رہے تھے اور نہ اس کا راستہ کیونکہ ایک بس علی ایچ آتی تھی دولڑ کیاں اس میں سے نکل کر اپنی طوطاری وردی میں ہم کو ڈنڈوت کرتی تھیں اور ہم سوار ہو کر ع منزل پر پہنچ جاتے تھے اول تواریخ بھولنا اور بھٹکنا تو ہمارے لئے طرز زندگی بن چکا تھا پھر یہاں پیدل چلنے کا موقع نہ ملا جس سے راستہ ذہین نشین ہو علامات ۹۹ فیصد صورتوں میں فقط جاپانی زبان ہوتی ہیں زیر زمین ریلوے میں بے شک انگریزی بھی کفایت استعمال ہوتی ہے سو وہاں ہم تہرانہ گئے ہمارے دوست سید محمود شہ ساتھ تھے راستہ دریافت کرنا ان کی ذمہ داری تھی مشرق و مغرب اور شمال و جنوب بھکریڑے بھی ہم سے نہیں ہوتے یہ تو ٹوکیو ہے لندن کی آکسفورڈ اسٹریٹ پر بھی ہم بھٹکے ہیں کسی بغی سڑک سے اس سڑک پر نکل آئیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ماربل آرچ کسی چرف کو ہے اور ٹوٹھم کورٹ روڑ کدھر ہے پہلے ہم ماربل آرچ کی طرف ایک اوپھی سی بلڈنگ کی نشانی رکھی پھر انگریزوں نے ویسے ہی ایک بلڈنگ دوسری طرف بنا دی پھر ہم سلفر تج کے ڈپارمنٹل اسٹور کی نشانی رکھنے لگے کیونکہ اس پر بہت سے ملکوں کے جھنڈے لگے رہتے تھے ستم ظریفوں نے وہ فرلانگ دور ایک اور بلڈنگ پر ویسے ہی جھنڈے کھڑے کر دئے آکسفورڈ سرکس کا اسٹیشن ایسا ہے کہ اس کے چاروں طرف بھی آکسفورڈ سرکس ہی آکسفورڈ سرکس ہے بارہاں یہ ہوا کہ ہم کس مقام کی تلاش میں آدھا میل دور چلے گئے پھر خیال آیا کہ غلط سمت میں آگئے اب آکسفورڈ سرکس کے دوسری طرف آدھا میل دور گئے تو اندازہ ہوا کہ غلطی اب ہوئی ہے پہلے ہم صحیح جا رہے تھے ہمارے بہت سے کام اسی میں رہ گئے ٹوکیوں میں یہ ہمارا تیسرا پھیرا تھا لیکن ہم آرے اور نارے کے چکر میں گرفتار رہے ایک روز ہندوستانی اور پاکستانی کھانے کی تلاش میں گزرے نکل گئے وہاں سب سڑکیں اور سب عمارتیں ایک سی ہیں ہر چند کہ بدر قہ ساتھ تھا تنا تنا بھٹکے کہ بے حال ہو گئے نائل ہو ٹل جس کا راستہ ہمارے خیال میں ہمیں آتا تھا پی آئی اے کے سیز آفس میں گئے وہاں ایک جاپانی بیٹھا ایک افغانی کا نکٹ بنا رہا تھا وہ بھی ہماری مدد نہ کر سکے آخواشو کا ہو ٹل کا بورڈ دیکھ کر اندر چلے گئے اور وہیں بھوجن کیا ہم سے کراچی سے ٹوکیو جانے کو کئے تو ہم بدلو جان سے تیار ہیں لیکن اپنے ہو ٹل سے اٹھ کر گزہ یا کھیں اور جانے کو ہم سے نہ کہئے ہمارے ہو ٹل کے سکرے میں ٹیلی ویژن بھی ہے اور نیکن ٹیلیو ٹیشن ذرا گروں اٹھائی دیکھ لیا لیکن زبان جاپانی ہے بعض اوقات ہم آواز کی گھنڈی بند کر دیتے ہیں اور فقط تصویر دیکھتے ہیں ہمیں زیادہ تر رغبت کارلوں سے ہے اور وہ علی اسح شروع ہو جاتے ہیں اسکرین کے ایک کونے میں وقت بھی آتارہتا ہے کہ اس وقت اتنے کھرا تھے منٹ ہو گئے

ہیں تاکہ لوگ دفتر یا کام پر جتنے سے غافل نہ رہے ریڈ یو بھیسے لیکن اس میں فقط یعنی فارائیٹ نیٹ ورک کی گھنڈی ہمارے کام کی ہے ہوٹل کی چوٹی پر ایک پر ٹکلف ریستوران بھی ہے یہاں سے سارا شہر بھی پھیلا ہوا دیکھئے لیکن یہ ٹوکیو کا سب سے اوپرناہ ہوٹل نہیں ہے سب سے اوپرناہ ہوٹل کا نام کیوں پلازہ ہے اس کی ۳۵ منزیلیں ہیں ہوٹل کیا بناتے ہیں آسمان میں تھکلی لگاتے ہیں جاپانی پہلوانوں کی کشتی ہم نے دیے تو نہیں دیکھی ٹیکلی ویرین پر دیکھی ہے جو رائیے کسی باہر والے کی ہمارے پکے گانے کے باب میں ہو سکتی ہے وہی ہماری اس کشتی کے بارے میں ہے معیار ہمارے ہاں صحت و تنومندی کا یہ ہے کہ چھاتی نکلی رہے اور کمر دبی رہے چنانچہ چیتے کمر کورٹک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جاپانی پہلوان اپنا پورا بدن نکالتا ہے خصوصاً پیٹ جب تک وہ نیل کے مارٹ کی طرح لٹک کر تھل کھل نہ کرے پہلو انکو کشتی کے لاٹ نہیں سمجھا جاتا آدمی کیا ہوتا ہے گوشت اور چربی کا پہاڑ ہوتا ہے پہلے مینڈک کی طرح ہاتھ ٹیک کر پیٹھ اٹھا کر ایک دوسرے کو گھوڑتے ہیں پھر نمک اٹھا کر چھڑتے ہیں کچھ اپنے لنگوٹ پر ملتے ہیں پھر دونوں حریف ایک دوسرے کو دھکیتے ہیں یانہ جانے کیا کرتے ہیں اس کے لئے پہلوان کو بہت کھانا پڑتا ہے بے تحاشہ کھانا لیٹیا اور ڈکار پڑتا ہے ایسے کام کی ممانعت ہے جس میں چربی کا ذرا سا بھی ڈھلنے کا خطرہ ہواں کشتی سے لطف و انداز ہونے کے لئے ذوق چاہئے اور وہ دوچار دوچار نہیں دوچار سل ہی میں پیدا ہو سکتا ہے ایسا ہی ذوق جاپان کے روایتی تھیٹر کا بوکی کو پسند کرنے کے لئے بھی مطلوب ہے ہم نے ایک بار دیکھا دوسرا بار دیکھنے کی ہوں نہیں ہے بلکہ تاب بھی نہیں ہے اس میں ایک سی کہانی ہوتی ہے اور ایک سی نفیری بجھتے ہیں اور سی حرکات ہوتی ہے اور ایک سی سکنات ہوتی ہے دوپی بیاں پس منظر میں بیٹھادی جاتی ہے جو برابر گھنٹوں کے بل پیٹھی رہتی ہے ایک آدھا عورت جوڑا بنائے ہاتھ میں خجیراً قردار لئے ہیرو کے آس پاس گھومتی رہتی ہے ہر کہانی ایک کٹا ہوا سر ضرور شامل ہوتا ہے اس لئے کٹا ہوا سر رکھنے کا ڈبہ ساز و سامان کالازمی جزو ہے نہایت اسپروافزا تھیل ہے ویسے تو ہمارا کلاسیکل چیزوں کے متعلق ایسا پہنچی خیال ہے۔

ہم تو گیشا گھر کو بھی اس سے مستثنی نہیں کرتے ہم جب بھی جاپان گئے کوئی نہ کوئی مہربان ہمیں گیشا گھر لے گیا ہم اپنی ذات سے نیک آدمی ہیں لیکن وضعدار اور مرمت والے بھی ہیں کوئی کہیں جانے کو کہی تو ہم سے انکار نہیں ہو گا اب کے جس گیشا گھر میں ہمارے ایک میزبان نے ہماری دعوت کی وہاں کی بیشتر گھشا میں سال خودہ بلکہ عمر طبعی کو پہنچتی تھیں طببورہ سنبحاں کردہ زار نالی انہوں نے کی کہ بس

خودکشی ان کی اور ہماری

ٹوکیو میں ہوٹل والے ہر روز ایک ماچس اور ایک چھپے ہوئے کپڑے کا کوئی جامہ ہمارے کمرے میں رکھ دیتے ہیں ایک روز کھول کے دیکھا تو وہ کیمانو تھا ڈرینگ گون نما چیز شاید اس کونائٹ سوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہوں گے ایک آدھا بار ہم نے پہن کے دیکھا ڈھیلا ڈھالا تھا ہمیں تو خوش نہ آیا اس پر ٹھپے سے جگہ جگہ گرینڈ پہلیس ہوٹل بھی لکھا تھا ورنہ ہم بھول چوک سے اسے اپنے کپڑوں میں رکھ کے لے آتے اور آپ صاحبان کو دکھاتے اسے آپ چوری کا نام نہیں دے سکتے نماز ہمارا فرض ہو تو چوری ہمارا پیشہ نہیں ہے تھفہ لانا ایک الگ چیز ہے جیسے ہم ماچسیں جمع کر کے لے ہی آتے ہیں ایک چپل بھی ہمارے کمرے میں دھری رہتی تھی اس پر بھی ظالموں نے گرینڈ پیلس ہوٹل نقش دکھا ہے ورنہ تھفے کے لئے بر نہیں تھی ہم بد نیتی سے تو نہ لاتے لیکن ہمارے جو توں کے ساتھ غلطی سے تو آسکتی تھی ہمیں ہمیں یہاں آکر پتہ چلتا ہے کہ ہم لے آئے ہیں بھلا اتنی سی چیز پر ہوٹل کا ٹھپے لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

ہم ٹوکیو سے باہر ہا کونے بھی گئے کہ ٹھنڈا پہاڑی صحت افزامقام ہے راستے میں ایک آدھی جگہ ٹھیکی لی کوکا کولا وغیرہ پیا اور بھٹے خوید کے کھایا مہنگا نہیں تھا ایک بھٹے ہمارے حساب سے چار روپے کا پڑا ابلا ہوا نمک سمیت پیہاں ہمیں جس ہوٹل میں ٹھرا یا گیا وہ بہت بڑا ہزار کمرے سے زیادہ کا دور دور تک پھیلا ہوا ہوٹل تھا بارش ہو رہی تھی دو اطراف جنگل جنگل ہی تھا وہ دن ہفتے کا تھا اس لئے رش بہت تھا بے شمار جاپانی جوڑے چھٹی منارے تھے ہماری مغربی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے پانگ مادرن ڈالے گئے تھے لیکن ایک کونے میں چوترا بھی تھا کس پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور آلتی مالتی مار بیٹھنے کے لئے گدے تھے نجی میں چوکی پر چائے کا پورا سامان ۔۔۔ کیمونو پہن کر بیٹھنے اور چسکی لگائے کمرے میں پارٹیشن سی کر کے دو پانگ ادھر دو ادھر ڈالے گئے تھے ادھر ہم اور ہمارے دوست دوسری طرف لاوس کے دو مندوب ڈزرکٹھا تھا اور یہ ہدایت تھی کہ پہلے آپ لوگ نیچے جا کر تالاب میں ڈکی لگائے پھر کیمونو پہن کر ڈنر پر آئئے اس پر ہم ہنسے پھر روئے نہانے کو پہلے ہمارا جی چاہا پھر نہ چاہا اس تالاب میں عورتیں اور مرد اکٹھے نہاتے ہیں اور کپڑوں کے تکلف کے بغیر ہم آدھا راسیہ جا کر آگئے کہ خواہ مخواہ ہمارا اخلاق خواب ہو گا جاتے تو آپ کو ضرور بتاتے آپ سے کیا پرداہ؟

ہاتو کونے کے راستے میں مسٹر نوما کا پرانا مکان پڑتا ہے مسٹر نوما کون ہیں ان کے تعارف کی یہاں گنجائش نہیں صرف اتنا جائز کہ جاپان کے سب سے بڑے پیغمبر ہیں ہماری کئی برس سے یاد اللہ ہے پاکستان بھی آچکے ہیں خود تو وہ ٹوکیو میں بیمار ہیں لیکن یہاں ہمارے خیر مقدم کا انتظام ان کے دامانے کیا تھا یہ روایتی طرز کا دیہائی مکان ہے چٹائیاں ہی چٹائیاں کھڑکیوں میں شیشوں کے بجائے کاغذ پیچی پیچی چوکیاں ہیں یہاں جاپانی انداز کی مٹھائیوں، چائے، اور پینے والوں کے لئے ساکی کا انتظام تھا بہر حال اس مکان اور ہوٹل کو

دیکھ کر جایان کا کچھ کچھ نقشہ معلوم ہوا رہنے مرکزی ٹوکیو عمارت تو ویسی ہی ہیں جسی کبھی مادرن شہر میں ہوا کرتی تھی جدید، محکم اور فلک پیا۔

اے صاحبو جاپان توجہ دید ہے لیکن اتنے جدید نہیں ہیں کہ ان کا طرز فکر وہی ہے کہ جو تھا سلام عطاء اور نشست و خست سب میں سر گشته خمار سوم و قیود ہیں پسند سمجھتے کہ چونگے پہنچ پھرتے ہیں یا ساری عورتیں سر پر جوڑے بنائے کمر کے پیچھے گدی باندھے پنکھا کرتی نظر آتی ہیں کام کا ج کاسار الباس مغربی ہے کہ آسانی اسی میں ہے کہ تا ہم آپس میں سلام سر جھکا کریں کرتے ہیں خواہ سڑک پر ٹریک، ہی چل رہا ہوا رہ لوگوں کا راستہ بھی رکتا ہوا س کے لئے فاصلے کا بھی التزام ہے مصالحے کا دستور نہیں اور یہ آداب بھی مقرر ہیں کہ کس درجے کے آدمی کے ساتھ کتنا جھکنا چاہئے تھوڑا جھکنا یا کمر کو دوہرا کرنا لازمی ہے تھفے کالین دین بھی ان کی طبعی عادات درسوم میں ہے جس کو تھفہ دیا جائے اس کے لئے لازم ہے کہ اس سے دوپیسے زیادہ کا تھفہ لائے اور جو اپنی تھفے کی قیمت کچھ زیادہ قدر ہونی چاہئے اگر دو فریقوں میں پرے درپے تھفتوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو جان لجئے کہ تھوڑے دنوں دیوالیہ ہو جائیں گے یا سمجھدار ہوئے تو کوئی بات نکال کر ٹرک یعلق کر لیں گے۔

اور اے لوگو آداب کے ذکر سنئے کہ جاپان میں خود کشی کے آداب ہیں ہارا کیری ایک رسم ہے لوگ مجمع عام میں کرتے ہیں دو مشہور مصنفوں نے جن میں ایک نوبل انعام یافتہ بھی ہے اور جن سیٹاک ہوم میں ملاقات کا شرف ہمیں حاصل ہو چکا ہے کھلے خزانے خود کشی کی ہے اس کے لئے قاعدے مقرر ہیں کہ خخبر پیٹ میں کس طرف گھوپا جائے کتنا گھونپا جائے اور گھونپتے وقت کپڑے کیسے ہونے چاہئں اور نشست کیسی رہنے چاہئے خود کشی ایک پورا فلسفہ ہے پہنچ کر ریل کے پیچے سر دے دیا زہر پھانک لیا جھٹ سے چھلانگ لگا دی یا سمندر میں ڈوب گئے ہربات کا کوئی قاعدہ ہوتا ہے قانون ہوتا ہے۔

اب ہم تھوڑی دیر کو جاپان سے پاکستان آتے ہیں جو کمال جاپان والوں نے انفرادی خود کشی میں پیدا کیا ہے وہ ہم نے اجتماعی خود کشی میں حاصل کیا ہے اور اس میں چھوٹے بڑے بھی شریک ہیں وہ بھی جو ۹۳ ہزار سپاہوں کو دشمن کی قید میں جا جا پھنساتے ہیں وہ بھی جو بسوں کو جلاتے ہیں وہ بھی جو کارخانے بند کر کے اور ہڑتا لیں کر کے ملک کو اقتصادی طور پر مفلوج کرتے ہیں اور لوگوں کو بے روز گار کرتے ہیں وہ بھی جو ریخ بر پر پھر پھینکتے اور کر فیو لگواتے ہیں ہم نے کل ایک جلی ہوئی بس اور پانی کی گاڑی کو دیکھا تو پوچھا کیا یہ گاڑیاں دشمن کی ہیں کیا یہ ٹریک کے سمجھے دشمن کے ہیں کیا یہ سڑکیں دشمن کی ہیں اور یہ کھسوٹے ہوئے پوچھے کسی دچن ملک کے ہیں معلوم ہوا سب ہمارے اپنے ہیں یہ سب ہمارے اپنے ہیں تو یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں جلاتے ہیں نوچنے ہیں، کھسوٹے ہیں، یہ سب خود کشی کی تعریف میں آتا ہی یا چھیں۔

چھپلی دسمبر میں ہم لوگ نے اپنے مکانوں کو جو مٹی تھوپی تھی وہ ابھی تک نہیں دھلی ان دھواں دھار دنوں کی یاد دلاتی ہیں جب کیماڑی سے اٹھتا ہوا دھواں ہماری روح میں سراپت کر گیا تھا اس وقت ہم اپنی کھڑکی میں سے بنس روڈ سے اٹھتا ہوا دیکھ رہے تھے وہ دھواں دشمن کی عنایت تھی یہ دوستوں کی ہے لیکن آگ دودست نے لگائی ہوا دشمن نے ہرشے کو یکساں جلاتی ہے پاکستان اس کی قدر دنوں اس کی وسائل کو تباہ کرتے ہیں اور ایک سا حکم رکھتی ہیں۔

کیسے ا جڑی ہوئی بسوں کو آباد کرو گے

لُوگو تم کل ہم لُوگوں کو یاد کرو گے

33

www.HallaGulla.com



Virtual Home
for Real People

جوتے کا مقام ہمارے معاشرے میں

آپ ضیاءِ محی الدین کا شود کھتے ہیں پچھلے دنوں ضیاء نے ایک شو میں دکھایا کہ جاپانی لوگ کس تکلف سے چائے، بناتے، پیتے، پلاتے ہیں ایک جاپانی صاحب ہی سارا اہتمام کر رہی تھیں اور سامان بھی موقع کی مناسبت سے مہیا کیا گیا تھا چوکیاں، چٹائیاں، اور پیالیاں وغیرہ ضیا صاحب بھی جوتا اتارے موجود تھے اور گھٹوں کے بل ادھر سے ادھر پھدک رہے تھے ان کے اس خوبی سے پھد کنے پر کہ جاپانی پانی بھی رشک کریں پہلے ہمیں تعجب ہوا پھر نظریہ ارتقاء کا خیال آیا بلکہ اس پر ایمان آیا آپ کسی گئے یا اونٹ یا ہاتھی کو بھی اس خوبی سے پھد کتا نہیں دیکھیں گے اس لئے کہ ان کا رشتہ اس ذات شریف سے نہیں ملتا جسے انسان کا مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

ضیاء کی بات تو بیچ میں یوں یوں آگئی ذکر جاپانیوں کے چائے نوش کرنے کا تھا بلکہ چائے نوش کرنے کا بھی نہیں تکلفات کا چائے تو ایرانی ہوٹل میں بھی مل جاتی ہے اور گھر میں بھی نوش کر لیتے ہیں جس کے ڈانڈے بھی بھی شیرے اور کڑھے سے جاتے ہیں جاپانیوں نے چائے کو عبادت بنا دیا ہے چائے کیا پیتے ہیں آرتی اتارتے ہیں اگر اتنی ہی مشقت کرنی ہے تو انسان چائے پینے کی بجائے سیدھا عبادت ہی کیوں نہ کرے کم از کم ثواب تو ملے گا عاقبت تو درست ہوگی اور جس کی عاقبت درست ہے اس کے لئے چائے کیا چیز ہے اسکو تو اور بھی بہت کچھ پینے کو مل جائے گا۔

جوتے یا ہم اتارتے ہیں یا پھر جاپانی اتارتے ہیں یورپ کے معاشرے میں جوتے کو ہرگز وہ حیثیت حاصل نہیں جو ہمارے ہاں ہے وہاں تو جو تابس پہن لیا جائے سردی سے یا سڑک کے روڑوں سے بچنے کے لئے ہمارے ہاں پہننا جاتا ہے گانٹھا جاتا ہے مارا جاتا ہے کھایا جاتا ہے چٹھایا جاتا ہے اور دال بانٹنے کے برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے سکھڑ بیباں اپنے سرتاجوں اور خداوندی مجازی کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں یورپ میں جوتی چیز کی نوک ہی نہیں ہوتی لہذا اس سے یہ کام بھی نہیں لیا جا سکتا۔

ہم نے جو جاپان میں مسٹر نوما کے گھر پر جوتا اتار کر کھڑا اؤں پہنی اور کھٹ کھٹ چلنے لگے جب ہماری ایک مغربی دوست دو قدم چل کر گر گئے اور دوسرے کے پاؤں میں موچ آگئی تو جاپانی میزبان بھی حیران ہو گئے اور کہنے لگے بھی یوں تو کھٹ کھٹ ہم بھی نہیں چل سکتے ہمارے بزرگ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں سنا ہے اسی طرح چلا کرتے تھے ہم نے کہا تم اپنے حساب سے یعنی مادی ترقی میں ہمیں اٹھارویں انیسویں بلکہ پندرویں سولہویں صدی ہی سمجھو تم لوگ اور سب بالتوں میں ہمارا مقابلہ کر سکتے ہو اس میں نہیں یہ تو کھڑا اؤں سے ہم ننگے پاؤں عمر گزار دیں ایک لنگوٹی ہمارے لئے زندگی بھر کو کافی ہے بلکہ اس کو پہنچتے بھی ہیں اس میں پھاگ بھی کھیلتے ہیں تم ہمارا صوفیانہ کلام پڑھو اردو شاعروں کی غزلیات پڑھو اچھا کھانے پینے کی اچھے مکان

میں رہنے کی کوئی کام کرنے کی یا ترقی کرنے کی ہمارے ہاں سخت منا ہی ہے کیونکہ یہ سب چیزیں قتا ہونے والی ہیں آنی جانی ہیں مودہ مایا کی تعریف میں آتی ہیں حتیٰ کہ محبت تک میں وصل پر بھر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ اس سے دل گداز ہوتا ہے ہمارے ہاں تو ان روشنیوں اور جو گیوں اور فقیروں کو رشک و احترام سے دکھایا جاتا ہے جو راکھ مل کر اور الاؤ جلا کر تپیا کرتے ہیں جو میں اٹھا اٹھا کر اپنے بالوں میں ڈالتے ہیں کانٹوں کے بستر پر سوتے ہیں فاقہ کرتے ہیں کشت بھوگئے ہیں ہم نے مثالیں بھی دیں کہ ایک بابا سنگل والے تھے وہ کئی من زنجیریں اپنے گلے میں صالے لا ہو مریں گھوما کرتے تھے ایک جو گی تھے انہوں نے اپنا ہاتھ عمر بھر سر سے بلند کر کے کھڑا رکھا حتیٰ کہ جم گیا اور سوکھ گیا ہم نے بتایا کہ کیلوں کے نکلیے بستر ہمارے ہاں عام ہیں ہم خود کیلوں کے بستر پر سوتے ہیں بیرون ملک تھوڑا سا مبالغہ کرتے ہیں ہرجنہیں اور حاضرین کو ہم ٹرانس سٹر بنانا کر تھوڑا ہی مرعوب کر سکتے ہیں اپنی روحيت سے ہی سے چلت کر سکتے ہیں ہمارے گرد مجھ لگا دیکھ کر ہمارے ہندوستانی دوست ادھر آنکھے اور کہنے لگے تم ہندوستان کی روحانیت اپنے پاکستان کے حصے میں ڈال رہے ہو یہ بڑی بات ہے اس پر ہم نے ان کو تو معاہدہ شملہ یاد دلایا اور حاضرین سے کہا تھے اوم پر کاش جی آگئے بزرگ ان کے اور ہمارے ایک ہی تھے ہمارے بزرگ مسلمان ہو گئے اور کپڑے پہنے لگے اور کیلوں کے بستر کی جگہ کھری چارپائی پر سونے لگے یہ کھڑا اور لگنوجا اور الاؤ اور بھوت دیکھنے کا شوق ہوت بھارت جاؤ کاشی مر جاؤ ہر دوار جاؤ کیوں اوم پر کاش جی اب تو آپ خوش ہے نہ۔

کچھ ذکر اوم پر کاش جی کا ہو جائے یہ ہندوستان کے نمائندے تھے لمبے تر نگے دلچسپ رنگیں آدمی دوسرے ہی دن کہنے لگے تم نے ماش کرائی ہم نے کہا کیسی ماش بولے دیکھا نہیں ہو ٹلی می ماش کا انتظام ہے کچھ پسیے ضرور لگتے ہیں میں نے فون کر دیا تھا ایک صاحبہ رات کو بارہ بجے آئیں ماش کر گئی تھکن دور ہو گئی ہم نے کہا کہ سر کی ماش کرائی ہو گئی یا شاید ٹانگوں کی ہنسے اور کہنے لگے میاں پورے جسم کی ماش ہوتی ہے ہم نے زیادہ تفصیلات میں جانا مناسب نہ خیال کیا اور کہا ہمیں تو تھکن ہی نہیں ہوتی جو ماش کرائیں کچھ تھکن ہوتی بھی ہے تو گرم پانی کے ٹب میں لیٹنے دور ہو جاتی ہے۔

ذکر جوتے کا تھا وہ بھی اس کے دوسرے افعال سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اتار نے اور پہنے کا ہمارے لئے تو اس میں کوئی نظرت نہ تھی انگریزوں اور امریکیوں کے لئے اچھی خاصی مصیبت ہے یہ تسموں والے جوتے کہ اتاریں تو پہن نہ سکیں اور پہن نہ تو آسانی سے اتار سکیں ہمارے ہاں مغرب ہی سے آئے ہیں اتنا گھڑا ہٹ ہمارے ہاں نہیں ہوتا اس لئے کہ ہمارے ہاں تاقدم قدم پر جوتا اتارنا پڑتا ہے کھانے پر بیٹھنے کئے لئے، نماز کے لئے، کسی کو مارنے کے لئے یہ لگ جو توں سمیت نماز ادا کرتے ہیں جو توں سمیت آپ کے گھر میں گھس جاتے ہیں اور پھر شرافت سے نہیں نکلنے نکالنا پڑتا ہے بعض اوقات تو اسے نکالنے کے لئے بھی جوتا استعمال کرنا پڑتا ہے شکر ہے کہ ہمارے پاس ایک ہتھیار تو ہے ورنہ ایسٹ انڈیا والے انڈیا کمپنی والے ابھی تک یہاں بیٹھے ہو تیماش ہم نے نہیں کرائی اور مشترکہ تالاب میں جامہ عربی پہن کر گنگا ہم نہیں نہائے پہنے کا خانہ ہمیشہ سے خالی ہے اور اس لحاظ سے صوبہ سرحد میں بھی ہنسی خوشی رہ سکتے ہیں پھر ہمارا گیشا گھر یا گھشا پاری میں جانے کا کیا مطلب صاحبو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی انگریز آئے تو ہم اسے طرح مشاعرے میں بلا میں اور وہ ہماری واہ واہ پر جیران ہوں ہر ملکے وہر دسے ہم نے جوتے اتارے اور گیشاوں نے ہمارا خیر مقدم کیا ایک کمرے میں جا اترے اور چاکی کے سامنے بیٹھ آلتی مار کر کوکا کولا پینے لگے یہاں مزید چند مخورندم ہوئی لیکن اب اس کے ساتھ کچھ سوزخوانی بھی ہوئی ہمیں تو گیشاوں کا گانا ہمیشہ سوزخوانی ہی معلوم ہوا جانے سنیاں لے لے کر کیا کیا گاتی ہیں

پھر تیسرے کمرے میں گئے یہاں طرح طرح کی سبزیاں اور مچھلیاں ہمیں تل کر کھلانی گئیں اور واقعی مزے کی تھی یہاں لٹکا کر بیٹھ گئے جس طرح لوگ قبر میں پاؤں لٹکا کر بیٹھتے ہیں یہ نامبارک محاورہ تو ناحق بیچ میں آگیا ایک چورس سا گڑھ تھا اس میں پاؤں لٹکا ہے جس طرح پرانے زمانے میں جالا ہے کھڈی بنا کرتے تھے آگے چوکیاں تھیں ورنہ اس تصریح میں گرنے کا ڈر تھا اسی گڑھ کے وط میں جاپانی باورپی کھڑے چیزیں تل تل کر دے رہے تھے اسی دوران میں گیشاں میں برابر میمانوں کی بلا نیں لیتی رہیں اب کے پھر طبورہ نوازی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے جلد ختم ہو گئی اور ہمیں ساکورا سا کوراواں رقص میں شامل نہیں ہونا پڑا ہم ایک بار اس میں شامل ہو چکے ہیں لیکن قصہ کئی برس پرانا ہے اس کی تصویر پیس ہم ہر کسی کو نہیں دکھاتے آپ دیکھنا چاہیں تو دکھا سکتے ہیں ہر ملک کے اپنے آداب اور اپنی رسماں ہتی ہیں جاپانی میزان کا بنس لج یا ڈنر گیشا گھر میں ہوتا ہے اور مہمان کے لئے نسوانی صحبت فراہم کرنا دعوت اور بنس کا حصہ ہیاں میں وہ جتنا گڑھا لے گا اتنا ہی میٹھا ہو گا لیکن بار اور گیشا گھر سے قطع نظر ہم نے گلیوں بازاروں میں چوماچائی کا وہ سلسلہ زیادہ نہیں دیکھا جو بعض دوسروں ملکوں میں ہے اور ہانگ کانگ میں ہے ہانگ کانگ کا احوال پم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اب کے بھی میرا مر ہو ٹول والوں نے ہمیں ہانگ کانگ کی جو گائیڈ وہ درد تھائی دور کرنے کے لئے تیز بہدف کی پوٹ تھی ایک اشتہار کا اقتتباس ایسکو روٹس لمیڈ ۷۵ پیکنگ روڈ، کولون، مہمانان عزیز کے لئے رفیق تھائی مہیا کرنے کی یہ سروں یورپین ملکیت میں ہے ہمارے ہاں سے ہر طرح کی لڑکی مل سکتی ہے شام کو آپ کا جی بہلانے کے لئے چلیبلی اور نوجوان لڑکی سے لے کر تھائی کے ڈنر میں عمدہ گفتگو کرنے والی مادام تک آپ جیسے بھی منتخب کریں وہ خوش اندام، خوشپوش اور فرم بدار رفیق ہو گئی ہر قوم اور نسل کی انگریزی بولنے والی فیس فی گھنٹہ ۳۳ ہانگ کانگ ڈالر کے حساب سے پہیا کئے جاتے ہیں ناپسند ہوں تو دام واپس گویا خواتین مہنگی ہیں اور مردستے ہیں ویسے ۲۲ ڈالر بھی کچھ کم نہیں ہمارے ہاں تو ملکے ملکے میں آدمی ملتا ہے اس قسم کی خدمت کے لئے تو ہم پلے سے بھی دینے کو تیار ہیں۔

Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com

فلپائن

جولائی ۱۹۷۲ء

Virtual Home
for Real People

جانا ملک سے باہر اور ہونا قدر ہماری

ہمارے ہاتھ میں سفر کی لکیر پھر کھلائی اور بولی چل چلیئے دیا دے اس نکٹرے ہم نے کہا بسم اللہ لیکن بھاگوان اب کے کھاں اے جان قیس تیرا رادہ کدھر ہے آج بولی فیلا دور مشرق کا مجمع الجراز فلپائن ۔۔۔ ہم نے کہا فیلا ہم دیکھ چکے ہیں اور اس کے بارے میں دنیا گول ہے میں کافی لکھ چکے جانا ہمارا فلپائن اور ڈرنا بات پرواں الامضمون نہیں دیکھا کسی اور جگہ کا حکم تا کروال بتہ ہم اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکالیں ہاتھ کی لکیر نے کھا اب کے قرعہ وہیں کا نکلا ہے اٹھاؤ ڈھوں اور تماشے اور چلو ۔۔۔

پس ہم نے ایک طرف سوٹ کیس اور دوسری طرف امام ضامن باندھ بلکہ بندھوا کر یار عزیز جمیل الدین عالی کوفون کیا بولے جہاز کب روane ہوتا ہے ہم نے کہا صحیح سات بجے لیکن ہوائی اڈے پر ایک گھنٹہ پہلے پہنچ کی شرط ہے فرمایا سواری ہم نے کہا ہمارے پاس اوپر کو تو ہمیشہ سواری رہی ہے بچے کو بھی نہیں رہی اگر ہے تو اس کا ڈرائیور چھٹی پر ہے منہ اندر ہیرے نکلیں گے پاپوش ٹکر جا کر کسی ٹکسی والے کی خوشنامد کریں گے اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ دیں گے زرکشیر کا وعدہ کریں گے بولے نہیں تم فون کر دینا میں آجائو گا، ہم نے کہا پہلے تو لوپھر بولو آج کی حد تک پہلے بولنے اور پھر تلنے کی روشن چھوڑو دو سوچ لو کہ بہت صحیح اٹھنا ہو گا دوستی ایک طرف صح کی بے آرامی ایک طرف فرمایا تم فون کر دینا جی حد سے حد اٹھ کر تم کو دو چار گالیاں دے لوں گا سو وہ دیسے بھی دے لیتا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ اب کے کالم میں پھر تم نے میری علیت اور فلسفہ نگاری پر کہیں پن سے چوٹیں کی ہیں تاہم میں آؤں گا۔

بے شک وہ آئے اور راستے میں حیران بھی ہوئے کہ ہیں صحیح ایسی ہوتی ہیں سپیدہ صحیح اسے کیتے ہیں ہم نے کہا تم نے آج دیکھی ہے صحیح ہم تو کئی بار سورج کو نکلتے دیکھے ہکے ہیں فرمایا مرے کیا میر اشمار چرند پرند میں کرتے ہیں یہ کوئی بھلے مانسوں کے اٹھنے کا وقت ہے ہوائی اڈے پر پتچ کر گاڑی سے ایل ایم کے کاؤنٹر تک ہمارا سوٹ کیس بھی وہی اٹھا کر لے گئے ہم نے واجہی سی نہ کی بھر چپ رہے وہاں بہت سے لوگ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں پہنچانا بھی اس شخص کو جو حسینوں کے نازک تک نہیں اٹھا سکتا ہم نے سوٹ کیس اٹھائے دیکھا تو طے کیا کہ ہم اس احسان کا بدلہ چکایہس گے دو تین ہفتے تک ان کے بارے میں کوئی چھبتا ہوانہ لکھیں گے۔ یہ فیلا ہے اور یہ فیلا کی خلائق کے عین سامنے ہمارا فیلا بے ہوٹل ہے نوین منزل کی کھڑکی سے سامنے جہاز کھڑے نظر آتے ہیں آج صح طوفان کا سنگل نمبر ۳ ہوا تھا ولے بخیر گذشت چند ماہ پہلے یہاں ایسا ہونا ک سیلا ب آیا تھا کہ کیا ہے زمین فلک پر تھا پانی کمر کمر ڈا مر اور پتھر کی سڑکوں کو بہالے گیا چنانچہ اب نئی سڑکیں سیمنٹ کی بنائی جا رہی ہیں ونکہ سیمنٹ کی سڑکیں بھی ٹھیکیدار ہیں بنائیں گے اور ٹھیکیدار اور الہکاروں کے درمیان خیر سگالی اور امداد بہی کا یہاں ہمارے ملک سے بھی زیادہ رواج ہے لہذا سیمنٹ کی کارکردگی بھی دیکھا چاہئے ایک بات ضور ہے یہاں مارشل لا ہے اور ابھی تازہ ہے تین ماہ ہوئے لگا ہے ڈانڈا پیر بگڑیاں تیگڑیاں۔

علی اصح اخبار کی تلاش ہوئی پچھلی بار نیلا ٹائمز اور اس کا میگزین ہمیں پسند آیا تھا ایک اخبار کر انیکل بھی اچھا تھا اب کے بازار ان میں سے تو کوئی نہ دیکھا فقط ایکسپریس اور جرجن اور بلین دکھائی دیئے ایکسپریس تو یہی کام ہے سنا

سے مارکوس صاحب کا اپنا ہے جوں اور بلیں حال کی پیداوار ہیں خبروں کے لحاظ سے بلیں ذرا ساغنیت ہے ویسے سب خشک اور بے مزہ معلوم ہو فیلا ٹانکر وغیرہ بند کر دیئے گئے بلکہ فیلا ٹانکر نے خود اپنے کو بند کیا حکومت نے ان لوگوں سے کہا تھ کہ تم لوگ ایڈیٹوریل وغیرہ میں اینڈی بینڈی باتیں لکھ جاتے ہیں جو ملک کے مفاد میں نہیں ہوتی اور جن سے ہماری طبیعت مختص ہوتی ہیں ہم تم کو بند نہیں کرتے اگر اخبارداریے کے بغیر نکالو فیلا ٹانکر والے ایک ہی بوقوف نکلے کہنے لگے نہ صاحب اخبار نکلے گا تو ادارے سمیت نکلے گا چنانچہ ورنہ والا معاملہ ہو یعنی نہیں نکلا۔ یہاں اخباروں کی سرخیوں میں ہر جگہ ہم نے یہ دیکھا کہ نے فلاں بات ارشاد کی ایف ایم نے فلاں بجا شن دیا ہم نے پوچھا کہ اس مارشل لاکافیلڈ مارشل کون ہے معلوم ہوا کوئی نہیں ایف ایم کا مطلب ہے فرڈی نند مارکورس فلپائن پچاس روپیہ ۱۰۰ اسٹیشن تھے ایف ایم نے سب بند کر دیئے صرف تین رہنے دیئے وہ بھی سرکار کی مہما گانے میں لگے رہتے ہیں ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی کئی تھے ایف ایم نے ان کو بھی مختصر کیا دو تین رہنے دے آج کل فوج دکانوں پر جالیاں لگا رہی ہیں اور سڑکوں پر جھاڑو دے رہی ہے یعنی جو بھی کسی نے نئے مارشل لائی ہوتا ہے وہ کر رہی ہے تیکن یہ بات اگر ماند ماشے شب دیگر نبی ماند لوگوں سے غیر قانونی ہتھیار واپس لے لینے کا فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اب لوگ پستول دکھا کر نہیں لوٹنے اندھیرے اجائے میں مسافر کی کلائیں مروڑ کریا گردن میں انگوٹھا دے کر گھٹری اتار لیتے ہیں کرفیو ۲۴ بجے رات سے ۲ بجے تک مستقل چل رہے ہیں اس سے پہلے آپ ہوٹل کے کمرے سے باہر ہوا کھانے کو قدم رکالیں تو دس آدمی لپک کر آتے ہیں صاحب چلنے جنت کی سیر کرا دیں حور غلام نکانار عایت کا انتظام ہے آپ کے کمرے میں بھی آپ کی تواضع کے لئے کوئی مہمان عزیز بھیجا جا سکتا ہے کرفیو کی وجہ سے نائب کلبوبوں کے کاروبار پر اثر پڑا ہے تو نائب کلبوبوں کے ملین گاہوں اور مولکوں کی تلاش میں سڑکوں پر نکل آئے ہیں یہاں ہر چیز بکتی ہے خویدار بتاؤ کیا خویرد گے کہتے ہیں سرحد کے صوبے میں کوئی شاہ صاحب یعنی سید بادشاہ گئے تھے عقیدت مندوں نے ان کے ہاتھ پاؤں چومے خاطر کی اور بعد ازاں کہا یا حضرا ت ہماری خوش قسمتی کہ آپ یہاں تشریف لائے اب ہم آپ کو مار کر یہیں دن کریں گے اس پر درگاہ بنائیں گے عرس کیا کریں گے ہمارے گاؤں میں کوئی درگاہ نہیں تھی چڑھاوے چڑھانے کے لئے بڑی دور دوسرے گاؤں جانا پڑتا ہے۔ فیلا میں کسی پاکستانی شاعر کا آنا بھی ایسا ہی امر سمجھتے ہمیں مار کر دن کرنے کا عزم تو کسی نے نہیں کیا۔ لیکن ہمارا کلام خواتین و حضرات نے شاہد مرزا کے گھر پر جو ایشین ڈولمنٹ بینک میں ہیں فرمائش کر کر کے سنا۔ اے اہل کراچی سنو ہمارا کلام ہمارا کیا نقصان ہے؟ تمارا ہی نقصان ہے ہمارا کیا ہے ہم فیلا آ کریا ٹوکیو جا کر لوگوں کو سنا آیا کریں گے جواہر کی قدر کان سے نکل کر اور آدمی کی قدر وطن سے باہر جا کر ہی ہوتی ہے ہم جو اکثر وطن سے باہر جانا پسند کرتے ہیں کچھ بے وجہ نہیں ہے۔

فیلہا ہم ہم ملک الشعرا ہوتے ہوتے رہ گئے

ہم نے فیلہا کے باب میں فیلہا والوں کے ہاتھوں اپنی قد دکا ذکر کیا تھا تفصیل اس لئے نہ دی تھی کہ ہماری طبیعت میں انسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہے وعوٰتیں ایک سے ایک پر تکلف حتیٰ کہ ہمارا جی چاہنے لگا یہیں رہ جائیں باقی عمر بعد جدا صحت بتا میں یہیں گزاریں مشاعر سے بھی ہوئے ہماری زندگی کہ یہ واحد مشاعرے تھے جن میں ہم کو سب سے آخو میں پڑھنے کی سعادت ہوئی جن دو تین صاحبوں اور بیکمبوں نے ہم سے پہلے پڑھا شعر تواب کے ہم سے زیادہ اچھے تھے لیکن خوش قسمتی سے ہمری خوش قسمتی سے ان کا نام اتنا مشہور تھا پھر وہ فیلہا کہ مقامی شعراء تھے اور ہماری حیثیت ایک شعراء کی تھی اور اس لحاظ سے ہم اس ساری عزت و تکریم کے سزاوار تھے جو ہمیں حاصل ہوئی اتنے بڑے مشاعروں میں پڑھنے کا بھی یہ ہمارا پہلا موقع تھا ایک روز تو تمیں اس سے بھی زیادہ اگر ہم غوری کی تین سال بچی کو جو بھاگ رہی تھی اور دو سالہ بیٹی کو جو سورہاتھا شامل کر لیں تو پورے پچاس سال معین ہے پاس والے گھر میں رہنے والے چاہے ہماری زبان نہ جانتے تھے فلپائن کے مقامی باشندے تھے لیکن ہماری گرد راج اور کھریج دار آوازان کے کانوں تک پہنچی ہوگی اگر آپ شعر سمجھنے کی شرط نہ اگاہیں تو اس طرح سامعین کی تعداد ستر پچھتر گئی جا سکتی ہے یہ شرط لگنی بھی نہیں چاہئے کیونکہ آپ کی زبان سمجھنے والوں میں بھی سارے لوگ شعراء سمجھنے والے نہیں ہوتے مرد ہوں تو نکل ٹک کر دیکھتے ہیں عورتیں ہوں تو وہ سویٹر بنتے رہتی ہیں فلپائن کی فضاشاعروں کے لئے یوں بھی سازگار ہے ہمارے تو صرف شعر ہی سننے کے اور وہی دی اگئی ہمارے محترم جی الانا صاحبکو تو فلپائن کے کسی ادارے نے پاکستان کے ملک شعراء کا سرٹیفیکٹ بھی عطا کیا تھا اب اگر ہم کو پاکستان میں کوئی نہیں جانتایا الانا صاحب کو پاکستان کے ملک شعراء نہیں مانتا تو یہ ہمارے اہل ملک کی بے ذوقی اور بے سواری کے علاوہ کیا ہے ویسے ہم نے بھی فیلہا میں اس ادارے کا سراغ لگانے کی کوشش کی تھی کہ اور نہیں تو نائب ملک الشعرا ہو کر ہیڈیاپس آ میں لیکن کسی نے بتایا کہ نہیں یہ ہم کو معلوم تو ہوگا ہمیں بتانا نہیں چاہتے ہیں۔

غوری صاحب کی بیگم عابدہ جن کے پم کا اعلان عابدہ نازک راچوی کے نام سے کیا ہے گیا ہے شعر روزا بروشب ماہتاب میں کہتی ہیں لیکن اچھے کہتی ہیں ان کے میاں کرامت اللہ خان غوری جو کراچی یونیورسٹی میں پہلے پڑھتے پھر پڑھاتے رہے ہیں فیلہا میں پاکستان کے سفارت خانے کے سیدکڑی ہیں نو کر نوکر ہو جانے کے بعد قاعدے کی بات تو یہ ہے کہ آدمی کو لکھنا پڑھنا چھوڑ دینا چاہئے لیکن غوری صاحب ایسے پڑھا کو ہیں کہ کتابوں میں ڈوبے بلکہ نہائے رہتے ہیں ان کی بیگم کوان کا یہ انہاک پسند نہیں آیا اور پسند آبھی کیسے سکتا ہے پس عابدہ غوری کی ساری شاعری کا موضوع ان کی رقیب یعنی کتاب ہی ہے ارشاد کیا ہے۔

تمہارے باب میں ہر باب باب الافت ہے
ہر ایک لفظ میں ہے ایں جناب کی صورت
کتاب ہی سے اگر تم کو اتنی رغبت ہے

ورق ورق مجھے پڑھ لو کتاب کی صورت

وطن کے اعتبار سے تو عابدہ ناز کو جھانسوی کھلانا چاہئے لوگ وطن کی محبت میں اپنے نام کے ساتھ گلہیکسیری اور ڈبائیوی اور سر گودھی تک لکھنے ہیں لیکن عابدہ کو اس لئے عذر ہے کہ جھانسوی سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا یہ لفظ جھانسی سے نکلا ہے یا جھانسے سے ویسے ہم نے ایک بزرگ کا نام تاہاں بھانسوی سنائے ہے یہاں فیلماں میں دوسری شاعرہ خورشیدہ تباہ تھیں وہ شعر کم کہتی ہیں انکسار زیادہ برتنی ہیں بہت ہی خوش ذوق لی بی ہیں ان کے میاں مظہر عارف ایشیں میں عجیب رچاؤ اور مٹھاس ہے اور پڑھنے کا مترنم انداز بھی بے حد دلنشیں ہے ان کی ایک غزل تو ہم نے اپنے قارئین کے لئے پوری نقل کر لی۔

دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

بیتے ہوئے اک اک پل سے اک اک نے پایا کیا کیا

یاد اک باسی سہی اس پھول نے مہکایا کیا کیا

آنسو وہ نکلے لیکن اک جادو تھا ان بوندوں میں

آنکھ سے دل کے آنکن تک سبزہ سا لہرا یا کیا کیا

ہم کو بست سے کیا بنالینا تھا تھارت آئی رت بت گئی

دھنک نے کیا کیا انگڑائی لی بادل بھی چھایا کیا کیا

تارے بن گئے اوس کے موئی چاند نے چاندنی برسائی

پھر کے منہ بھی ہم نے دیکھا لتی رہی مایا کیا کیا

جانے پہچانے چھرے یہ غم سے ملتی تصویریں

ان ملتی تصریروں میں دیکھا کیا کیا ، پایا کیا کیا

ہم نہ سمجھتے زیست کے فلتے کو ان سے ایسے مشکل تھے

تیری زلف نے نقچ میں آکر بات کو انجھیا یا کیا کیا

اک خواب بے خوابی ہی میں ساری رات بسر کر دی

نیند سے بو جھل جھوکے آئے ہم کو چونکا کیا کیا

ترک محبت وہ بھی تجوہ سے ایسے سے کوئی آسائ ہے

پاس آکر سمجھایا کیا کی دور سے تڑپایا کیا کیا

وقت پڑے تو غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں دیکھے ہی لو

باتیں لیں تھائی نے کیسی یاں نے بہلا یا کیا کیا

اپنے اماں میں آجائے والوں پر آنچ نہ آنے ہی

دھوپ میں اپنے آپ ہی بدن بھر جلتا رہا رسایا کیا کیا

سب انسان دکھی ہیں عارف جیب سے یہ احساس ہوا

سکھ میں ہم نے دکھ جھیلا اور سکھ پایا کیا کیا

فیلماں کلچر کی ایک اور خوارک بھی ہم نے لی ایک دن غوری کہنے لگے کچھ دلچسپی آرٹ اور کلچر سے بھی ہے ہماری آنکھوں کے سامنے مجرد مصوری غیر مجسمہ سازی اور پکے گانے کے مظاہر ناچنے لگے تاہم نے جی

کڑا کر کے کہا دلچسپی کیا معنی یہ چیزیں تو ہمارا اور ہنا بچھونا ہیں آرٹ اور ٹکڑا کا ذوق ہمیں مبداء فیاض سے بقدر وافر و بعut ہوا ہے۔

بولے اتنی زبان مشکل زبان بولنے کی بجائے ہاں یانہ میں جواب دیجئے

ہم نے کہا ہاں پاکستان میں تا سمجھی ہم سے پوچھ کر تصویریں ہیں اور ہمارا مشورہ لے کر گاتے بجا تے ہیں ساری آرٹ کو نسلوں کے ڈاکٹر جار ہے ہیں برخودار ہیں اور ہمارے بغیر پاکستان میں ٹکڑا کا پتہ تک نہیں ہل سکتا۔

اب غوری صاحب نے کہا کٹھ پتیلوں کا کھیل دیکھا ہے کبھی ہم نے کہا ہو وہ ٹرانسٹر اور کاریں کیسے بنائی ہیں بھاری بھاری چوغوں والے توار بازز ٹیلی ویژن کے پوچی سلر کی محبوبہ سے ملتی جلتی دو شیزراں یا شہزادیاں غن غن کرتے بادشاہ یا سردار بولتے نہیں فرماتے ہیں اور گاتے نہیں گراتے ہیں چن چن کر بدآواز گانے والے لائے جاتے ہیں اور بے سری دف پر گوائے جاتے ہیں ہم نے پہلے حصے میں اپنے کو ضبط کیا بلکہ ایک دو تحسین کے کلمات بھی کہے تا کہ میوزک خصوصاً جاپان کے کلاسیکل میوزک سے ہماری آشنائی اور رغبت ثابت ہو دوسرے حصے میں اپنے چٹکیاں لیتے رہے تاکہ سونہ رہیں جما ہی روکنا بڑا مشکل کام ہے جانے لوگ کیسے روک ہماری تو ساری عمر کٹھ پتیلوں کا کھیل دیکھتے گزری ہے ہمارے ملک میں یہی ایک کھیل تو ہوتا ہے بولنے میں سیاست کی بات نہیں کر رہا سچ مجھ کے puppet کی بات کر رہا ہوں آج فلپائن ٹکڑل سنٹر میں ہمارے ساتھ چلے جاپانی کٹھ پتی شو ہوگا۔

جاپان ہم کو بہت بسند ہو گا لیکن جاپان کے تھیٹر خصوصاً کابوکی کا نام سن لیں تو اس طرح ہمارے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں لیکن خوشی سے نہیں ٹھنڈے سینے آنے لگتے ہیں اختلانج ہونے لگتا ہے پاکستانی فیلیں اور جاپانی تھیٹر دیکھتے وقت ہم اپنے ساتھ اسپرین اور لخنہ ضرور دیکھتے ہیں کیا عجب کب ضرورت پڑ جائے تو یہ کٹھ پتی کا کھیل لیکن بالکل کابوکی کی طرز کا سمجھ میں نہیں آتا کہ جس قوم کا تھیٹر لیتے ہیں تیرے حصے میں ۔۔۔ کی نوبت ہی نہیں آئی ہم نے غوری سے کہا غصب ہو گیا ہم تو ایک صاحب کو عین اس وقت ملنے کے لئے ہوٹل میں بلا کھا تھا اتنا دلچسپ پروگرام چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا لیکن مجروری بولے میں بھی چلتا ہوں ہمارا خیال ہے لخنہ کی ضرورت ان کو اور ان کی بیگم کو بھی محسوس ہو رہی تھی جاپان میں تو سنا ہے اپنال میں اپریشن کرنے سے پہلے مریض کو بے سندہ کرنے کے لئے دوا کا انجیشن وغیرہ نہیں لگاتے کلوروفارم نہیں سنگھاتے بس کابوکی کی تھیٹر دیکھتے ہیں ایک آدھا مین دلکھ کر ایسا غین ہو جاتا ہے کہ مزے سے چیر پھاڑ کر جیئے اسے پتہ بھی نہیں چلتا،

Virtual Home
for Real People

ایک اور خط مفہیلہ

جب ہمارے ہاں چینی کا کال پڑتا ہے ہم مشرق بعد کو روزانہ ہو جاتے ہیں یوں بھی کہ سکتے ہیں کہ جب کبھی ہم مشرق بعید کا رخ کرتے ہیں ملک میں چینی کی کمی پر ہاہا کار مخفی لگتی ہے ۱۹۶۸ء میں ہم سنگاپور اور ہانگ کانگ کے تو کراچی کے تر سے ہوئے پیالی میں مٹھایاں بھر بھر چینی ڈالتے تھے اب کہ ۱۹۶۸ء کا حال تو نہ تھا جب لوگ ذیابطس کے مریضوں پر شک کیا کرتے ہیں کہ اسے شکر آتی تو ہے خواہ کسی عنوان ہی آتی ہے تا ہم یہاں آدھا بیج پیتے ہوئے گئے تو مفہیلہ میں ڈھائی پچھے ڈالنے لگے اور شیریں لبوں پر جاں نثار کرنے لگے فلپائن میں آج کل مارشل لاکا ہوا ہے اب کے مفہیلہ اپنے گھر کا ساگا ہم نے نہیں لگوایا ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی لگا ہوا تھا اس کی وجہ سے اب کے مفہیلہ اپنے گھر سا ہے ہم اتنے دن تک مارشل لاتخت رہے ہیں کہ جمہوریت میں دم گھٹنے لگتا ہے صدر فلپائن مار کورس نے اپنے فلسفہ حکومت پر جو کتاب لکھی ہے اس میں صدر ایوب کا ذکر چھیسن کے لیجے میں کیا ہے ان کے تصور میں جمہوریت میں کا حوالہ دیا ہے کہ سبھی جمہوریت کا مذاق نہیں رکھتے اس کے اہل نہیں ہوتے لہذا یہ چیزناپ قول کر ڈر اپر کے سایہ بقدر اشک بلبل دینی چاہئے زیادہ خوارک سے نشہ ہو جاتا ہے صدر مار کورس نے مارشل لاکے لئے یہ عذر شوی بیان کیا جائے کہ باسیں بازو کی شورش کا خطرہ ہے جس طرح ہمارے ملک میں پرانے سیاستدان جب چاہتے تھے اسلام کو خطرے میں ڈال دیتے تھے اسی طرح فلپائن میں باسیں بازو کی شورش کا انتظام کیا جاتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ پورے ملک میں کوئی اس بات پر یقین نہیں کرتا وہاں باسیں بازو والے لوگ تو ضرور ہیں اور کہاں نہیں ہیں لیکن مسلسل شعرش کی بات احادیث ہے، ہم سیاسی بحث میں نہیں پڑتے فلپائن والوں کے ذاتی معاملوں میں دخل نہیں دیتے اس لئے بھی کہ بہت سے لوگ کو مارشل لاسے خوش پایا فلپائن اسی طرح مشرق میں جرام کا گڑھ گنا جاتا ہے جس طرح واشنگٹن یا شکار گو امریکہ میں یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا ہماری کتاب دنیا گول ہے کے فلپائن کے باب میں اس بات کو مثالیں دے کر واضح کیا گیا ہے اس وقت وہاں جان و ایمان خطرے میں ہوتے تھے گھر سے ہوٹل سے باہر قدم رکھنا اقدم خود کشی کے ذیل میں آتا ہے اب کے ایمان کا خطرہ تو پایا ایمان کے خطرے والے ہمارے ہوٹل کے باہری منڈلاتے رہتے ہیں اور رستے میں بھی گھیراؤ کرتے ہیں لیکن جان کا خطرہ کم ہو گیا ہے لوگوں کے ہتھیار بہت ضبط ہوئے ہیں اس سے پہلے تو ہر شخص سلکھشور ہوتا ہے پانچ لاکھ ہتھیار برآمد کئے گئے ہیں جن میں اسٹین اور مشین گنیں تھیں بلکہ بکتر بند گاڑیاں بھی مارشل لاکے احکام اور آرڈری نہ روز نئے نئے نکلتے ہیں تعداد سیکنڑوں میں ہے لفت میں سکریٹ پینے کی ممانعت درج ہے اس کے ساتھ آرڈری نہ نمبر ۱۰۸۸ لکھا ہے ۱۹۶۶ء کے ڈرے ہوئے ہم اپنے ہوٹل سے کم کم نکلتے تھے ایک روز اپنے دوست ڈاکٹر مختار بھٹھی کو ساتھ لے کر ہمارے ساتھ یہاں سے گئے تھے شہر میں دور تک نکل گئے اور سلامت واپس آگئے مفہیلہ کا وہ حصہ جس سے ہم شناس بہت بدل بھی گیا ہے پہلے جو پارک کا نام تھا بیج پچ کا خوبصورت پارک ہے لیومنیتا پارک ہم نے ایسے خوبصورت پارک بہت کم دیکھے ہیں اس کے سامنے رزال پارک سڑکوں کی روٹ بنی کیا کہنے ہوٹل بھی ان چھ سال میں بہت سے بن گئے ہیں۔

موسم مفہیلہ کا مشرق بعید کے بہت سے شہروں کی طرح ایسا ہے کہ نہ بجادوں ہرے نہ ہاڑ سو کھے موسم کی دو قسمیں ہیں گرم۔ گرم تر ہم سوٹ لے کر گئے تھے بہت پچھتا ہے۔ ہوٹل مرکزی ایرکنڈ یشنٹ تھا اس

لئے اندر امن رہتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس موسم کو فیلا موسم کا نام دیتے تھے ایک روز شام کو ذرا سی خنکی البتہ ہو گئی تھی مارشل لا کے علاوہ وہاں کرفیو بھی مستقل ہے ہر روز بارہ بجے شب سے چار بجے صبح تک رہتا ہے صبح کا تو ہمارے لئے کوئی مصرف بھی نہیں رہارت کو تکلیف تھی دوستوں کے ہاں دعوت کھاتے اور شعر پڑھتے ہیں بعض اوقات آدمی غزل چھوڑ کر اٹھا پڑتا ہے ایک روز تو قافیہ پڑھ دیار دیف کو چھوڑ کے بھاگنا پڑتا۔

مارکورس صاحب کی بیگم بڑی دلکشی کی مالک ہیں اور ان کو ایکشن میں جتوانے میں ان کا بڑا حصہ ہے بچاری اچھی ہیں ایک شام ہم پان امریکن کے دفتر میں بیٹھے ٹکٹ بنوار ہے تھے کہ خبر آئی ان پر کسی نے چاقو سے حمہ کیا ہے کس نے کیا ہے کیوں کیا ہے کچھ معلوم نہ ہو سکا ہمیں یہی فکر تھی کہ جنوبی ریاستوں ہی کا تھا لیکن مسلمان نہیں سیداً کبر کی طرح پولیس والوں نے اسے گولی مار کر ڈھیر کر دیا جس سے اس کی عقدہ کشائی اور مشکل ہو گئی ہے ہم نے ٹیلی ویژن مردیکھا قاتل تصابوں کی طرح چاقو چلا رہا تھا بیگم صاحبہ نیپرے حوصلے سے مدافعت کی اور غنیمت ہوا کہ یونچے کر ہمکنیں ہاتھ کی انگلیوں اور باہوں تک بات رہی ورنہ پچنا ممکن نہ تھا فیاض میں چوکی پھرے اور سیکورٹی کا سخت انتظام رہتا ہے لوگ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ کوئی قاتل قریب آ سکتا ہے بلکہ ایک فوٹو گرافر کا کہنا ہے کہ میں یہی سمجھایا یہ شخص بیگم مارکورس کو چاقو نزد میں پیش کرنے جا رہا ہے۔

مشرق کی طرف کہیں بھی جائیں بنکاک سے مفر نہیں چنانچہ ہم کوئی بارہ چودہ بار بنکاک کے ہوائی اڈے سے گزر چکے ہیں اترے فقط تین باروہ بھی ایک ایک دن کو بنکاک میں دھراہی کیا ہے جس طرح الہ آباد فقط اکبر اور امروہ سے عبادت تھا اسی طرح بنکاک میں وریائی مارکٹ اور جماہوں اور لاتعداد بودھ کے مندوں علاوہ کوئی چیز دیکھنے کی نہیں یہ ویٹ نام سے چھٹی پر آنے والے امریکی فوجیوں کا ٹھکانہ البتہ ہے ڈالر چھنکاتے آتے ہیں اور پتنوں میں سنبھالتے جاتے ہیں باقی کپڑے یہاں کے نائٹ کلب میخانے، حمام اور مالش کے کارخانے، اتار لیتے ہیں دریائی مارکٹ تو علی اصح ہوتی ہے اور ہم جورات کے ڈھانی بجے فیلا سے بنکاک پہنچ تھے صبح پانچ بجے اٹھ کر جا بھی نہ سکتے تھے پی آئی اے کے اسلام خان صاحب نے پیٹہ مہربانی کی ہمیں اپنی کار دے دی اور سفارت خانے کے سلطان شیخ صاحب نے ہماری رہنمائی کے لئے اپنے پیٹی وقت میں سے وقت نکالا وہ ہمارے رفیق سفر اور دوست ڈاکٹر مختار ٹھکی کے دوست تھے حسن اتفاق سے وہ دن اتوار کا تھا اور سنڈے مارکٹ کا جو بنکاک کی خاص چیز ہے بس ہم نے کچھ پکوڑے دیکھے پکوڑوں کے احاطوں میں بھی پکوڑوں کے جھنڈ میں آتا ہے ایصال ثواب کے لئے ایک پکوڑا کھڑا کر جاتا ہے اور مہاتما بدھ کی مورتی سجا جاتا ہے ہم نے لنکا، جاپان، چین، ہانگ کانگ، اور مہاتما بدھ دیکھے ہیں بیٹھا ہو ابدھ کھڑا ہو ابدھ، چلتا ہو ابدھ، پھرتا ہو ابدھ، لیٹا ہو ابدھ، آدھا لیٹا ہو ابدھ، سویا ہو ابدھ، آدھا سویا ہو ابدھ، ایک لیٹے ہوئے بدھ پر لوگوں نے نے سونا منڈھ رکھا ہے ایک بدھ زمرد کا بنا ہوا ہے بھر حال کھلاتا ہی ہے لوگ اگر بتیاں ملار ہے تھے پھول چڑھا رہے تھے اور ڈنڈوت کر رہے تھے۔

ہم نے زمردیں بدھ کے مندر آلتی پاتی مارکر ارتقی دیکھتی اور عقیدت کا نور لے نکلے ایک صاحب نے پوچھا آر، یو اے بدھست ہم نے کہا بدھست تو نہیں بدھو البتہ ہیں اور خیر سے گھر کو جا رہے ہیں ایک کھڑا ہو ابدھو ٹکڑی کا ہم نے ہی سے حصول برکت کے لئے ساتھ لے کیا تھا اسے ہم کسی کسی کو دکھاتے تھے یہ سب کے دیکھنے کی چیز بھی نہیں۔

www.HallaGulla.com

جاپان

جو لائی ۳۷۳۱ء

Virtual Home
for Real People

ہم تو سفر کرتے ہیں

خوش رہواں وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔ مصرعہ تو یہ بہت پرانا ہے لیکن اس میں خوش رہو کے معنی نئے ہیں قصہ دو مسافروں کا آپ نے سنا ہوگا کہ یہیں چلے جا رہے تھے ایک کاپاؤں رٹپا تو ایک اندھے کنوئیں میں گرگیا اور وار کیا دوسرے صاحب کچھ فیم اور کچھ انکے نشے میں مست تھے چونکے بولے از کجایی آیدا ایں آواز دوست اے عزیز کہاں ہوا میاں بدھن کچھ تابلو انہوں نے اطلاع بھم پہنچائی کہ گڑھے میں گر گیا ہوں بلکہ اندھے کنوئیں میں حضرت نے لمحہ بھر تو قف کیا اور پھر یہ دعا دے کر آگے چل دیئے کہ اچھا بھی جہاں روپ خوش رہو۔

آن کراچی میں قیامت کا سماں تھا پورا شہر جل تھل ایساٹھ کے بادل ڈوب گیا میخانہ بھی جسے دیکھو بھر ظلمات میں گھوڑے دوڑا رہا ہے ہم بھی پشم پشم بخاری بصرہ بندر روڈ سے یونیورسٹی روڈ ہوتے ہوئے گھر پہنچ پھر شام ہوئی یہ شام بھی دھواں دھواں تھی گھنگور گھنائی کھڑی تھی زال پیشتر کہ کہ پھر بوند پڑتی اور اس قطرے کے دل میں مزید خطرہ پیدا ہوتا ہم نے پان امریکن کے جموجھ کے پائیں اس پر پاؤں رکھا اور آواز لگایا۔۔۔ جانے دوں۔

جموجھ یعنی بوسنگ ۷۲۷ میں جگہ بہت ہوتی ہے اندر سے یہ چہار نہیں دیوان خانہ بلکہ سینما ہال نظر آتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ وہاں لوگ پھینٹے باندھے کوکا کولا اور موگنگ پھلی بیچتے دکھائی دیتے ہیں بیباں شاکستہ اور مہربان بی بیاں آپ پرہزار جان سے نہ سکی مردوں سے مسکراہٹوں کا چھڑکا و کرتی گزرتی ہیں ہمیں جس قطار میں جگہ ملی وہاں ایک ترک بی بی پیٹھی تھی ہمیں بے اختیار بر محل اشعار یاد آنے لگے اگر اس کی شیرازی بدست آر دل مارا وغیرہ لیکن یہ فارسی تھی زبان یار موسن ترکی نبی دائم ادھر دھ عفیفہ تھیں کہ گردن موڑ کر ایک امریکی سے بتیں کرتی چلی جا رہی ہیں جو ان کی سیٹ کے پیچھے کھڑا تھا اور ان کوئیں جانتا تھا اور زبردستی تعارف کرائے جا رہا تھا کہ میرا نام یہ ہے اور میں کلیو لینڈ میں رہتا ہوں جو امریکہ کے مغربی ساحل پر ہے اس بی بی نے کہا میرا کالج کا استاد بھی امریکہ کے مغربی ساحل کا رہنے والا تھا اگر دل کو دل سے راہ ہو اور طبیعتیں مائل بہ یکدیگر ہوں تو اتنا رشتہ بھی بہت ہوتا ہے اور اگر نہ ہوں تو سال اور آرسی ڈی بھی بے کار ہوتے ہیں ہم ان دونوں چیزوں کو اپنی جیب میں رکھے منتظر تھے کہ یہ اس مکالمت سے فارغ ہوں تو ہم بھی اپنی رطب انسانی کے جواہر دکھا میں اور ان کو بتائیں کہ انقرہ استنبول ہم نے دیکھ رکھے ہیں اور ترکوں پر ہم جان چھڑکتے ہیں ان میں بھی صیغہ تائیٹ پر بالخصوص یہ بی بی سیاحوں کے ایک گروپ کے ساتھ ہیں یہاں سے یہ دلی میں اتریں گی ترک عموماً دلی ہی میں اترا کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد کشور کشاوی معلوم نہیں ہوتا ہو بھی تو وہ اور زمانہ ہے دلی اترتے ہی یہ تاج محل دیکھنے جائیگی ہم نے کہا اے بی بی آتے جاتے میں اٹک کراچی میں اتروہی تو اپنی بساط اور تمہاری صورت کے مطابق خدمت کے کچھ حقوق ہم بھی ادا کریں جو اسلام اور آر، ہی ڈی، کے علاوہ دوسرے رشتتوں سے بھی ہم پروا جب ہوتے ہیں لیکن دانتوں کے سبھی ڈاکٹر طیب محمود کی طرح ادب شاعری اور فنون لطیفہ

کے رسیا نہیں ہوتے فونون لطیفہ تو ایک طرف بعض ڈاکٹروں کی سمجھ میں تولطیفہ تک نہیں آتا معلوم ہوا کہ یہ محترمہ صرف دانت دیکھتی ہیں اور کوئی چیز نہیں دیکھتیں دل وغیرہ تک نہیں دیکھتی پس ہم بے مزہ ہو کر اٹھ گئے سبھی مسافر تین تین سیٹوں پر لجئی تا نے سور ہے تھے ہم نے بھی ایک کونا تا کا چار سیٹیں ایک ساتھ خالی تھیں ہم نے کسی اور مناسب موقع کے لئے اٹھا کر کھا اور سوچنے لگے کہ ہندوستان سے رابط ضبط بڑھانا چاہئے آخواں سے بھی ہمارے بہت سے ثقافتی رشتے ہیں،

فوری وجہہ ہندوستان کے لئے ہمارے دل میں گداز پیدا ہونے کی یہ ہوئی کہ ہم سے الگی صفت میں ایک دیوی اس ملک کی اپنے لانے بالوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی دلی کوئی گھنٹے بھر میں آنے کو تھا اور وہ اس کی تیاری میں سولہ سنگار کو رہی تھیں پہلے انہوں نے آنکھوں پر اس چیز کی دھڑی جماں جس کا نام ہمیں نہیں آتا پھر پوڑلگایا اور پھر دوبارہ بال بنانے لگی آئینہ ہمہ پیش وقت تھا ہم نے فارسی اور ترکی کا دفترہ کر کے ہندی کے دو ہے پاد کرنے شروع کئے کبیر کے دو ہے کم یاد آئے زیادہ تر بے ثباتی دنیا سے متعلق تھے یا پندرہ نصان کا دفتر تھے ہاں جمیل الدین عالیٰ کے دو ہے اڑاڑ کے چسپیاں ہو رہے تھے یہ شخص کیا عمدہ شاعر ہے بات ہمارے دل کی ہوتی ہے کہتا یہ ہے آج کل اپنے کالموں میں کامیابی کے پہاڑ مع کر لکھ رہا ہے اے صاحب یہ بتاؤ کہ جس صورت حال میں ہم ہیں اس میں کامیابی کیسے ہو انسائیکل پیدی یا تو کوئی اور بھی لکھ لے گا وہ ہے اور غزلیں اور گیت تو ایسے میٹھے اور ایسے پیرے اور کوئی نہیں لکھ سکتا ہر چند کے اب عالیٰ میاں ہم کو ایئر پورٹ پر چھوڑ نے نہیں آئے تھے نہ ہمارا بستر اٹھایا تھا تا ہم ہمارے اخلاق کو خوبی دیکھنے یہ یاد آتے چلے جا رہے تھے آخو ہم نے پھر اس قول تین سے کام لیا کہ جہاں رہو خوش رہوا شارہ ترک بی بی کی طرف بھی تھا ہندوستانی دیوی کی طرف بھی تھا اور جمیل الدین عالیٰ بھی اور پھر لمبی تان کر سو گئے۔

اب کے جس بی بی نے ہمیں خواب غفلت سے جگایا بلکہ جو چونکا یا یہ جاپانی تھیں یا تھائی جاپانی ہمیں خوب آتی ہے کم از کم ایک لفظ تو آتا ہے آری گا تو گزاری مشتائیعنی بہت بہت شکریہ تھائی ہم کو نہیں آتی اس لئے چپ رہے وہ ہم سے نشست کا بوچھرہی تھیں ہم نے کہا بی بی ہم مسلمان زیادہ نہ سہی بقدر ضرورت تو ہیں بس یہ یاد رکھو کہ ہم ڈنڈے کے ساتھ بیکن نہیں کھاتے اور پورک نہیں کھاتے بولیں اچھا تو تم پورک چاہتے ہو ہم نے کہا نہیں 50k بھاری بات سمجھو۔

بولیں تو تم ڈنڈے ہچکا ہتے ہو اور بیکن بھی 50k ہم نے کہا اے مس ہم کو کچھ بھی نہیں چاہئے بس ہمارے حال پر رحم کرو سوچا ناشتہ آنے تو دو دیکھا جائے گا بے شک ناشتے میں گوشت کا ٹکڑا تھا لیکن یہ یہ چاپ تھی ایمان نجی گیا میرے مولا خیر کی ہمارا ایمان شخص سورنہ کھانے سے نجی جاتیا ہے اپنے دوست ابوالثیر کشفی کی طرح ہم زیادہ تر دو نہیں کرتے بچارے تین سال سے جاپان میں ہیں مرغ تک نہیں کھاتے کیونکہ وہ ذبحہ تک نہیں ہوتا ڈنڈے کھاتے ہیں، دال کھاتے ہیں یہودیوں کی دکان سے قیمة لاتے ہیں کہ وہ ذبحہ ہوتا ہے ہمارے مولوی محبوب عالم بھی یہی کرتے تھے۔

رستے میں سیام آیا اب اس نام کو لوگ نہیں جانتے تھائی لینڈ کہتے ہیں اور انام پر سے جہاز گزر را نام کو بھی اب لوگ کم جانتے ہیں یہ وہی خطہ ہے کہ شمالی اور جنوبی ویٹ نام میں تقسیم ہے ہم نے برسوں پہلے ایک نامعلوم چینی شاعر کی نظم کی تھی:

ملک انام سے طوطا آیا

تختے میں
آدم کی وہ بولی بولے
میٹھی نرم
اور لوگوں نے اس کے ساتھ
وہی کیا
جود دانوں سے پڑھے لکوں سے
میٹھی بولی بولنے والوں سے دنیا میں کیا ہوا ہے
موٹی موٹی تلیوں والا پنجھرہ لے کہ
بند کیا طوٹے کو اندر
لے اب بول---لے اب بول

ٹوکیو--- گرینڈ پلیس ہوٹل کا کمرہ ۱۸۶۸ء اسی ہوٹل میں ہم پارسال فروش ہوئے تھے چھوٹا سا
کمرہ بستر، ٹیلی ویژن، غسل خانہ، یہاں کے نئے عمدہ ہوٹلوں میں سے ہے پہلی پارکمرہ ساتویں منزل پر تھا لیکن
سر موقوف نہیں ایک فلور کو دوسرے سے اور ایک کمرے کو دوسرے سے پہنچانا ممکن ہے،

ہمارے لئے کیمونو تھے کیا رکھا ہے رات کے ساڑھے بارہ نجح رہے ہیں نیند آتی ہے پر نہیں آتی
آنے تو کس طرح آئے کراچی میں تو ابھی ساڑھے آٹھ کا عمل ہے لوگ کھانے پر بھی نہیں بیٹھے ہوں گے
آجاري نندیا آکیوں نہ جا اچھا تو ہم کیمونو پہنٹے ہیں تھوڑی دیر کو یہ فاخلانہ کتاب پڑھتے ہیں اور ایک پر مغز پاکستانی
نقاد نے لکھی ہے نیند لانے کا مجرب نسخہ ہے ہماری خوراک اس کا ایک صفحہ ہے اچھا بھی نقاد صاحب تم بھی جہاں
رہو خوش رہو،

Virtual Home
for Real People

ٹوکیو سے ایک خط

ٹوکیو کا ٹیلی ویژن ہمارا خیال ہے جو نیس گھنٹے چلتا رہتا ہے ہم نے توجہ بٹن دبایا تصور نظر آئی لیکن ہر چیز جاپانی حتیٰ کہ انگریزی فلمیں بھی اگر دکھاتے ہیں تو جاپانی میں۔۔۔ ایک خاص چینل ایسا ہے جس پر انگریزی میں پروگرام آتا ہے لیکن وہ صرف چند بڑے بڑے ہوٹلوں کے لئے ہے اس سے باہر نہیں دیکھا جاسکتا اس کو ہم دیکھ لیتے ہیں ورنہ آواز بند کر کے تصویریں دیکھتے رہتے تھے سو یہ نسخہ ہم بھی بھی اس سے الٹ بھی کر لیتے ہیں کہ آواز ٹھلی ہے تصویر کا بٹن بند ہے پہ پروگرام پر مختصر ہے کہ جنت نگاہ ہے یا فردوس گوش ہے یادوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے جاپانی فلموں کا ایک مرغوب موضوع کسی پر اسرار یتارے کی غیر انسانی مخلوق کا حملہ ہے یا کوئی ما فوق الفطرت جانور سمندر کی گہرائی سے نکلتا ہے جس پر تو پیں، بند قیس بم کوئی چیز اثر نہیں کرتی ٹرینوں کو اکھاڑ کر اپنے دانتوں میں ماچس کی ڈبیہ کی طرح چباڑا لتا ہے ان میں ہمارے ہاں بھی گود زیلا وغیرہ کئی فلمیں آچکی ہیں ٹوکیو کے چند اس ضرورت نہیں ہوتی۔

یہاں آج کل ایک ناول دھڑا دھڑ بک رہا ہے بلکہ دس لاکھ سے زیادہ قیاس ہے کہ لوگوں میں ہراس پھیل گیا ہے لکھنے والے نے جو سائنس کا گرجویٹ ہے سائنس اور قوت متحیله کا ملغوبہ تپار ہے علم الارض کی تحقیقات کے حوالے دیے ہیں جاپان کے پہاڑوں کی ساخت اور پانی کے اتار چڑھاؤ کا اصلی اور سائٹیک چجز یہ پیش کیا ہے آغاز اس کا یوں ہوتا ہے کہ جاپان کے ساحلی جزیروں میں سے ایک جزیرہ جو کل تک پانی سے باہر تھا ایک روز پانی میں ڈوبا ہوا پایا جاتا ہے سائنسدان حیران اور پریشان ہوتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کا عفریت بڑھتا چلا آ رہا ہے ادھر کوہ آتش فشاں کا لاٹھنے کو ہے ٹوکیو اور جاپان میں چھوٹے موٹے زلزلے تو روز آتے رہتے ہیں اور خاصی طاقت کا زلزلہ بھی وقوع وقوع سے آتا ایک تحقیق یہ ہے کہ زوریا بدیر ایسا ہی تباہ کن زلزلہ آنے کو ہے جیسا ۱۹۲۲ء میں آیا تھا اور جس میں ٹوکیو، یوکو، ہاہا کو بے وغیرہ سمجھی تباہ ہو گئے تھے کوئی ڈیڑھ لاکھ آدمی مر گئے تھے اور سارا شہر نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑا تھا اب ٹوکیو میں فلک بوس عمارتیں بنتے ہیں لیکن لوہا لٹ کیجان یہ نہیں کہ جھٹکا آیا تو دو منزیلیں گر گئی پادیوار ادھر جا پڑی مضافات میں ٹوکیو سے اوسا کا جاتے ہوئے ہمنے بلکہ مکانوں کی قطاریں دیکھیں کہ گرجا میں یہ تو جانی بقصان کم سے کم ہو ہر اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں تباہی کی جو شناسیاں بیاں کی جاتی ہیں ان میں سے بعض نمودار بھی ہو گئی ہیں پہلی فروری کو وسطی جاپان میں کوہ آتش فشاں اسماجا گامی کے اداخو میں سائنس دانوں نے دریافت کیا کہ ٹوکیو کے نواحی میں زمین دھنسی جا رہی ہے اسی روز جزیرہ بونن کے نزدیک ایک زیر آب آتش فشاں پھٹا پہلی جوں کو ساحلی جزیرہ کیو شو کا پہاڑ سا کراچی بھی پھٹ کر واگلے لگان شواہد کے بعض طبقوں میں ہر اس پھیلنا قدرتی بات ہے بلکہ بعض لوگ دفتر جاتے ہیں تو آہن اور خودا یہر جنسی کے دوسرے سامان کا تھیلا لے کر جاتے ہیں کہ کیا جانے کب کیا ہونے والا اس کتاب کا ۲۲ سالہ کمسو ہے جو مصنف کتب کثیرہ ہے سو سے زیادہ فکشن کے ناول لکھ چکا ہے۔

ہم پچھلی بار آئے تھے تو تنا کا کو وزیر اعظم بنگئے تھے تو لوگ ہمیں اس کا کریڈٹ نہیں دینے تو مضافات نہیں اب کے ٹوکیو کی شہری حکومت میں ہم نے کمیونسٹوں کو جتوایا اکثریت تو خیر نہیں ہوئی لیکن سپین لوگوں کی توقع سے کہیں زیادہ ملیں یعنی ۱۹۲۳ء کے اثرات پر خوب قیاس آ رائیاں ہو رہی ہیں تبدیلی اس سال

میں یہ ہوئی کہ ڈالر گر گیا پہلے ایک ڈالر میں پانچ روپے ہوتے تھے اب دس روپے ہونے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ٹوکیو جو ویسے ہی دنیا کا سب سے مہنگا شہر تھا، ہمیں اور مہنگا لگنے لگا، ہمارا ایکسپوٹ وہ بھی ٹھنڈا سفر میں پڑے پڑے ذرا شکن دا رہ ہو گیا ہے، ہم نے استری کرانے بھیجا تو ۳۲ روپے کے برابر آیا سوت کی ڈائی کلینگ کے ۳۸ روپے ہوتے ہیں اور اگر آپ ذرا شوقین یعنی تھری پیس سینے والے ہیں تو ۶۰ روپے دیجئے ٹائی پانچ روپے میں ڈرائی کلین ہوتی ہے اور ٹائی پر استری دور روپے میں کرائی جاسکتی ہے یاد رہے کہ یہ ٹوکیو کا سب سے بڑا ہوتا نہیں ہے بلکہ اچھا ہے لیکن اس سے بھی اچھے اور ہیں یہ نیا ہے اور مرکز شہر سے کچھ دور ہے لہذا انسپتا ستا ہے پھر یونیسکو کے مہماں کو لئے یہ خاص رعایت بھی کرتے ہیں غالباً ۲۵ لاکھ ۳۰ فیصد پھر بھی رعایتی کرایہ ایک سوا اسی روپے روز ہے خست کر کے بغیر انڈے کا ناشتہ جو ہم لئتے ہیں کم از کم بیس روپے کا ہوتا ہے ٹوکیو سے گردن پھیر کر اپنے ملک کی طرف ہم دیکھتے ہیں تو ہر چیز سستی لگتی ہے۔

بس یا ٹیکسی کے لئے قطار لگانے کا جنوں انگلستان میں یتوالیسا کہ مشورے ایک آدمی ہو تو بھی قطار بناتا ہے ٹوکیو میں بھی قطار پنتے ہیں ہم نے دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوتے جاتے ہیں یہ لمبی خوبصورت قطاریں بن جاتی ہیں لیکن جو نہیں بس آتی ہے سب سلیقہ بھول قطار تو ٹریس پر پہلے سوار ہونے کے لئے پل پڑتے ہیں ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ کچھ نہ کچھ تو مشرقیت کی روح ان لوگوں میں باقی ہے بالکل کرشمان نہیں ہو گئے۔

تم آؤ گے تو کیا لاو گے، ہم آئے تو کیادو گے

تحفے دینے والا نے کی رسم ہمارے ہاں بھی ہے اور پرانی ہے کسی کے ہاں گئے تولد و لیتے گئے اس سے تعلقات میں مٹھا س پیدا ہوتی ہے اور ازاں بعد آپ جب تک چاہیں میمان ٹھر سکتے ہیں ویسے اس میں جتنا گڑا تنایٹھا اصول ہے نقش میں میزبان کی نگاہیں بدلتی نظر آئی تو مزید لذو لے جائے اس پنجابی ٹپے کا کچھ خیال نہ یکجھے کہ۔

کچھ یاری لڈواں ذی
لڈومٹ گئے، یارانے ٹھٹ گئے

کسی بچے کے ہاتھ میں نقد بھی کبھی بڑوں کے ہاتھ میں بھی نقد تھمانے کا موقع آتا ہے خصوصاً جب کہ وہ کوئی الہکار ہو اور اس سے کوئی کام اٹکا ہوا ہو بعض لوگ اسے کچھ اور نام بھی دیتے ہیں لیکن میاں آزاد لوگوں کی زبان نہیں کپڑی جاسکتی، ہم تو اسے تحفہ ہی گردائیں گے چیز کو دیکھنا چاہئے نیت کو نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس کا حال صرف خدا جانتا ہے عید پر ہمسایوں کو سویاں بھیجتے ہیں تا کہ وہ ہمیں شیر خوما بھیجے بقر عید پر چھانٹ چھانٹ کر بوٹیاں بھیجتے ہیں چھانٹے اس لئے ہیں کہ کہ نہیں کام کی بوٹی نہیں کسی کہ ہاں چل جائے ہاں اہل مغرب کے ہاں بھی تخفہ دلانے کی رسم ہے لیکن روزا برش ماہتاب میں کسمیں پر تھفون کا تبادلہ بھی کرتے ہیں ورنہ آپ نے کوئی چیز دی اور انہوں نے تھینک یو کہہ کر رکھ لی،

وصل کی صحیح پہلو نے بت سے
اٹھ گئے یار تھینک یو کہہ کر

ظالم یہ تک نہیں کہتے کہ ارے صاحب کیوں تکلف کیا اس کی کیا ضرورت ہے لیکن جاپانیوں کے لئے تخفے کی رسم طرز حیات ہے بلکہ بمنزلہ مذہب کے ہے ان کی ساری اس شغل عزیز میں گزرتی ہے اور بعض لوگ تو اس چکر میں دیوالیہ بھی ہو جاتے ہیں یا ہانگ لگانے سنائی دیتے ہیں میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا ابتداء اس کی معمولی ہوتی ہے کہ آپ نے رومال تخفے میں دیا انہوں نے جواب میں ٹائی پیش کی اگلی پارٹائی سے زیادہ قیمتی چیز دے گے مثلاً اسکٹ اور جواب میں آپ کو سوت ملے گا اب اس سوت کو آنگ کر اگلی بار یا تو سونے کا کٹھا پیش کیجئے پا شہر چھوڑ جا ہئے اس صورت حال سے بخنے کی ایک ہی صورت ہے کہ نقش میں کوئی بہانہ نکال کر تعلقات خواب کر لیجئے تم اپنا منہ ادھر کر لو، ہم اپنا منہ ادھر کر لیں۔

تحفے کے بارے میں ہمارا اپنا اصول وہ ہے جو پنڈت کیفی دہلوی نے اپنے ایک مصروع میں بیان کیا ہے۔

تم آؤ گے تو کیا لاو گے ہم آئے تو کیادو گے
پس جب جاپانی دوستوں سے ہمارا ربط ضبط شروع ہوا یعنی ان میں کچھ اصحاب آج سے سال پہلے ہمارے

ہاں آئے تو دو تین تھنے بھی لائے ہم نے رکھ لئے کہ ہاں بھی ان کا فرض تھا اتنی دور سے آئے ہیں کیا تھنے بھی نہ لاتے تھینک یو بھی کہا یا نہیں یہ ہمیں یاد نہیں کیونکہ خاصی پرانی بات ہے پھر ہم جاپان گئے تو سلام محبت اور خیر سکالی کے جذبات تو ہمارے پاس وافر مقدار تھے اسے باپ دینیوں میں سے کوئی چیز بطور تھنے ساتھ نہ تھی بایں انہوں نے ہمیں رخصت کیا تو کچھ دے دلا کر کیا بے شک ان کی وحدت اور ان کے ہماری وضعداری اور پنڈت کیفی کا شعر ہمارے ساتھ تھا ہم دوبارہ جانا ہوا تو ہم نے بھی سب کے لئے کچھ نہ کچھ خریدا اور پیش کیا،

جاپانی مادہ پرست لوگ ہی اس لئے ان کے تھنے بھی مادی قسم کے ہوتے ہیں کوئی تصویر دے دی کوئی سگارف دے دیا کوئی ریڈ یو دے دیا کوئی دن میں یہ چیزیں ٹوٹ پھوٹ کریا گھس گھسا کر برابر ہو جاتی ہیں اس کے مقابلے میں ہم روحانیت اور جذبات کی دولت سے مالا مال ہیں اس لئے کسی کو کم سے کم تھنے بھی دیتے ہیں تو دل دیتے ہیں

لوہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

یا پھر جان ہے جس کو دیکھو قوم کے لئے جان قربان کرنے پڑتا ہوا ہے اگر کوئی کہے کہ صاحب جان اپنے پاس رکھو کوئی روپیہ دھیلادے دو سخن کہ روپیہ توہاتھ کی میل ہے اسے کیسے دیں شروع میں ہم نے بھی جاپانیوں کو تھنے میں دل و جان ہی پیش کئے تھے لیکن دیکھا کہ اس کی کماحتہ قدر نہیں بلکہ گمان ہوا کہ اسے ہماری خست پر معمول گیا جا رہا ہے تو مرتبان اور تھال وغیرہ خویدنے پڑے اس لحظے سے ہمارا ملک اچھا ہے دل و جان سے کام چل جاتا ہے بلکہ ہم شاعر اور عشق پیشہ لوگ تو اپنے ساتھ دلوں کی پوٹی رکھتے ہیں جہاں اچھی صورت دیکھی ایک نکال کر ادھر پھینکی لینے والا بھی خوش پیسے الگ بچے ہم چاکنہ مصنف بھی ہیں کبھی بھی دل کے ساتھ کتاب بھی نظر کر دیتے ہیں اس میں ہمارا یہ فائدہ یہ ہے کہ کتاب کا یہ یشن نکل جاتا ہے ہماری ساری کتابوں کا پہلا ایڈیشن اسی طرح تو نکلا ہے کتنا نیں خویدتا کون ہے۔

ایک شکایت ہمیں اپنے ملک والوں سے بھی ہے سبھی مذہب ملکوں میں دستور ہے کہ تھنے دیتے ہیں تو سیلیقے سے باندھ کے دیتے ہیں بعض اوقات تو اتنی خوبصورت پیکنگ ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ تھنے پھینک دیں ڈبہ رکھ لججے طرح طرح کے ڈبے لفافے، ڈوریاں، فیتے، پات، پھول ایک سے ایک دیدہ ذیب وہاں اس بات کی باقاعدہ ترتیب دی جاتی ہے کہ کاغذ کو کس طرح سے تہہ کیا جائے فیتے کارنگ کیا ہو اس کو گرہ کس طرف دی جائے خاصا علم دریاؤں ہے سیلیقے کی انتہا ہے ادھر ہم اپنی اسمال انڈستریز کی ہینڈی کرافٹ شاپ میں جتے ہیں تو سلیر میں دانت نکال دیتا ہے کہ صاحب یونہی جیب میں ڈال لججے ورنہ یہ لججے براؤن کاغذ کا لفافہ ہے اس میں ڈال لججے یا آج کے اخبار میں باندھے دیتے ہیں اسی میں آپ کا کالم بھی ہے جس کے پاس تھنے جائے گا اس بہانے آپ کا بھی کالم پڑھ لے گا اب کہ جو ہم گئے تو ہماری طبیعت بہت جھنچھلانی ہم نے ان لوگوں کو بہت سخت سست کہا گئی بارکھ کرشکایت کی ہے پھر بھی یہ حال ہے جواب ملا کہ صاحب ہمارے افسران بہت کفایت شعار ہیں کہتے ہیں کہ خوبصورت کاغذ اور ڈبہ دیں تو لاگت بڑھ جائے گی ہم نے کہا حضرات روپیہ دورو پیہ زیادہ ہو جائیں تو مضائقہ نہیں پہ دکانیں ٹرستوں کے لئے ہیں غریب غرباں یہاں نہیں آتے جو شخص پیچاں روپے کی چیز لے گا وہ دورو پے اوپر بھی دے دے گا ہم ٹورزم کے محلے کو کو دہائی دیتے ہیں کہ صاحبو نکتہ کو سمجھو اور سمجھاؤ تھنے کے ساتھ پیکنگ اچھی ہو تو لینے والے کا دل خوش ہوتا ہے اور دینے والے کی عزت رہ جاتی ہے ہم نے ائیر پورٹ کی دکان سے یہ چیزیں خویدیں تو ایسے ہی ننگی بوچی ملیں بعض اوقات تو ان کے پاس براؤن کاغذ کا لفافہ بھی نہیں ہوتا۔

تحفہ لے کر شکریہ کے آداب بھی جاپانیوں سے سکھنے چاہئیں وہ کھول کرنہ دیکھیں تب بھی کہیں گے کہ صاحب بہت عمدہ ہے کمال کی چیز ہے کوئی کھانے کی چیز بیش کجھ تو اسے چکھنے سے پہلے ہی آپ کا جاپانی دوست رطب الانسان ہو جائے گا کہ صاحب بہت لذیذ ہے بہت مزے کی ہے۔
لاتے ہیں سرور اول، پیتے ہیں شراب آخر

جاپان کشفی صاحب کا

ہمارے دوست ابوالا اخیر کشفی جواد کا میں پڑھاتے تھے پاکستان واپس تشریف لے آئے ہیں جاپان میں وہ کئی چیزیں پڑھاتے تھے طالبعلمیوں کو اردو اور اسلامیات اور باقی جاپانیوں کو پڑھنا کی پڑھاتے تھے میں ان لوگوں کے نکاح بھی پڑھادیتے ہیں جن کوے کے امام مسجد مایوس کر کے واپس بھیج دیتے ہیں اشاعت اسلام سے کوبے کے امام مسجد کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہے جتنی کشفی صاحب کو ہے لیکن ان کا کہنا تھا کہ جو شخص میرے دست حق پرست پراس جمع کو اسلام قبول کرتا ہے اگلے جمع سہرا باندہ کے آتا ہے کہ حضرات اب نکاح بھی پڑھاد تھے ان لوگوں کو مسلمان کرنے کا کیا فائدہ جاپانیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود بھی چھ بولتے ہیں اور دوسروں کو بھی سچا سمجھتے ہیں اگر آپ کہیں کہ میں جارج چشم کا داماد ہوں تو بھی مان لیں گے بلکہ فوراً بازار سے تخفہ لینے دوڑیں گے پچھلے دنوں ایک صاحب ان کے پاس گئے کہ حضرات مولانا مجھے اسلام کے دائرے میں داخل کر لیجئے بے حد منون ہوں گا۔ اسم اللہ کر کہ پوچھ سکتا ہوں کہ مسلمان کیوں ہونا کیوں چاہتے ہو کوئی اور ہوتا تو اسلام کی وحدانیت، اور حقانیت کی بات کرتا عاقبت کی فلاح کا ذکر درمیان لاتا لیکن ان صاحب نے کہا کہ حضرت مجھے میری کمپنی برس کے لئے سعودی عرب بھیج رہی ہے وہاں خاصے دن رہنا ہوگا مسلمان ہو جاؤں تو آسانی رہے گی امام مسجد نے انکا ردیا اور یوں خاصے اور جاپان میں فرزان اسلام میں ایک کا ضافہ ہوتے ہوتے رہ گیا،

کل کشفی صاحب کراچی کے جاپانسٹر میں اپنے سہ سال قیام جاپان کے تجربات پر گفتگو کر رہے تھے اہل ذوق کا بہت بڑا مجمع تھا خواتین بھی بے تعداد کثیر تھی لہذا بعض بدگمانوں ہوا کہ کشفی صاحب صرف گفتگو کو درج گزٹ کر رہے ہیں اپنے احوال اور اشغال کی پوری تصویر نہیں کھینچ رہے ہیں لیکن اس کے لیے لوگ منتظر تھے کہ اب ذکر گیشاوں کا آتا ہے نائٹ کلبوں کے اسرار نہاں فاش ہوتے ہیں ساکی اور ساقی کی گفتگو کا آغاز ہوتا ہے بعثت تورال ٹپکائے کے لئے گلے میں بب باندھے کے بھی آئے تھے لیکن نہ ہوا ہم یقین دلاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ چھپا کر نہیں رکھا ہمارے دوست ہونے کے باوجود نیک معاش آدمی ہیں اوسا کا میں ہم ان کے گھر فروکش رہے ہم جتنے دن وہیں رہے وہ خود نماز پڑھتے رہے اور ہمیں دال بھنڈیاں کھلاتے رہے ایک روز ہم نے مشتاق احمد یوسفی کا قول نقل کیا کہ چند دن متواتر ویشنو بھوجن کرتے رہیں یعنی دال اور سبزی کھائیں تو ہمارا اسلام پر اعتماد کمزور ہونے لگتا ہے اور ہندو ہونے کی سوچنے لگتے ہیں اگرچہ فقه کی کتابوں میں نہیں آیا لیکن اسلام کا چھٹار کن گوشت خوری ہے ہماری یہ بات سن کروہ آبدیدہ ہو گئے بولے بازار میں گوشت ہوتا ہے وہ ذیجہ نہیں ہوتا اس پر اللہ اکبر اور بسم اللہ وغیرہ نہیں پڑھی ہوتی لہذا میں کھاتا کوے میں ضرور حلال گوشت ملتا ہے لیکن کوے کوئی تمیں میل کی مسافت سے ہمارا خیال ہے وہ بھنڈی کی گردن کاٹتے وقت بھی تکبیر پڑھتے ہیں ویسے بھنڈیوہاں یہاں گوشت سے بھی مہنگی ہے ایک روپے کی ایک بھنڈی سمجھتے ہم نے قیمت سن کر اس کو گوشت سمجھ کے کھانا شروع کیا تب کہیں اسلام کا تھوڑا سا نور ہم میں واپس آیا۔

زیادہ ترد تو خیر ہم بھی نہیں کرتے اور ہمارے ہاں بھی مسلمانی در گورہتی ہے لیکب دوسری قوموں کے ہاں تو مذہب نزا تبرک ہے کچھ جنتر، منتر، کچھ شادی اور ۳۲ تجھیزوں تینفین کے آداب تھوڑا سا دھندا سا موبہوم سال اللہ میاں جاپان کی کل آبادی نو دس کروڑ ہے ایک صاحب نے کشفی صاحب سے سوال کیا کہ اسے بودھ کتنے ہیں اور نشوان کا پرانا نمہب ہے بودھ ہو کر بھی اس سے مروت کا رشتہ وہ ایسا ہی رکھتے ہیں جیسی مرزاعالب نے تمبا کی تھی۔

تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے جو رہو کیا گناہ ہو

ہمارے ہاں نئے بنئے کا قصہ مشہور ہے کہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن کوئی بات بت نظر آئے تو اس کو بھی ماتھا ٹیک لیتا تھا کسی نے کہایہ کیا دو عملی ہے فرمایا کیا ہر جن ہے ہم صلح کل بوپاری آدمی ہیں تعلقات کسی سے خواب نہیں رکھنے چاہئیں کیا پتہ کل ان سے کام پڑ جائے۔

کیوں میں ہم نے لکھنو کا محرم الحرام بھی دیکھایہ بات۔۔۔ چہ گفت است سعدی در ز لیخا کی سی
نہیں ہے۔

کواں دھیری رات میں دن بھراڑا کیا

کاظفیہ سے ۱۶ جولائی لو کیوں شہر میں جس میلے کا آغاز پوتا ہے اسے کہتے تو گیون ہیں لیکن ہمیں رتن ناتھ سر شادیاد آئے اور لکھنو کے محرم الحرام کے باب میں ان کا بیان یاد آیا میاں آزاد اپنی ترنگ میں ادھر جانکے تو دیکھتے ہیں وہ بھیڑ وہ ریل پیل کہ عیاذ اللہ تعالیٰ پھینکو تو سر ہی سرجائے شانے سے شانہ چھلتا ہوا ہوا جب بعد خوابی بصرہ گزیں گزر پائے توضیقِ نفس ہو جائے۔

یہاں وی دھوم دھام تھی وہی از دہام تھام شاق سخن خلق چلی آتی تھیں آپ ہجوم میں ایک بار پھنس گئے کہ فٹ ہو گئے ادھر ادھر ہلانا ممکن تھوڑے سے نہ ہم فاسلے پر تعزی بھی کھڑے تھے صاحبوں تعزیوں کا سلسلہ اعزازی سے نہ ہم ملے ہیں نہ تم ملانا ان لوگوں کو سمجھی غم ہیں غم حسین کے سوا یہ دومنزلہ کھٹولے ہوتے ہیں زرق برق کاغذوں اور جنڈیوں سے آراستہ ان کو کانڈھوں پر اٹھاتے ہیں ریڑھوں پر گھماتے ہیں اور ثواب کماتے ہیں لوگ نذریں بھی دیتے ہیں اور پھر ان کو ایک خانقاہ میں لے جا کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہماری تو ہمت نہ ہوئی ہمارے ساتھ مع کشفی صاحب کے قطار میں لگ کر ان کے اوپر گئے جہاں کچھ ناؤش نوش، باج گاج، کاسا مانجھی تھا ان لوگوں نے پیسے نذر کیے اور تبرک پایا کچھ آپ کھایا کچھ ہمیں چکھایا یہاں کئی درگاہ ہیں لیکن سامنے سڑک کے اس سرے پر جو خانقاہ ہے لوگ یہاں آئے ہیں درختوں پیڑوں کی شاخوں سے تعویز باندھتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں متنیں مانگتے ہیں مکھانے خوچتے ہیں کچھ چڑھاتے ہیں کچھ نقشیں کرتے ہیں یہ میلہ کئی روز کا ہے اور اس کی بڑی پرانی تاریخ ہے لیکن ہم تاریخ کے آدمی ہیں ہیں اتنا بتا دیں کہ بات صدیوں پرانی ہے اس شہر غدار میں کہ ٹوکیو سے پہلے یہی دارالاکوومت تھا بلکہ گزشته صدی تک جاری رہا ایک بار طاعون کی وبا پھیلی صفائیا ہو گیا لوگوں نے رد بلا کے لئے جنتر منتر پڑھے گنڈے تعویز کئے اور یہ کھٹوئے تیار کئے القصہ جہاں تک روحانیت اور ڈھمل بیانی کا تعلق ہے یہٹر انسٹر اور کمپیوٹر بنانے والے کسی سے کم نہیں ہیں۔

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت جاپانیوں کا مشینوں پر اتنا سا انحصار ہے کہ ہر چیز انہی سے کرتے ہیں بلکہ ان کے بغیر نہیں کر سکتے اگر کسی جاپانی سے کہیں کہ دور اور دور کرنے ہوتے ہیں تو وہ کہے گا

کہ کمپیوٹر لاو اس پر حساب کرتا ہوں اس کے بغیر کیسے بتا سکتا ہوں خدشی صاحب بھی ان کی صحبت میں اسے ہی ہو گئے ہیں ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ جاپان میں کتنے سال رہے انہوں نے جیسی کمپیوٹر نکال کر ۱۹۷۳ء میں سے ۱۹۷۰ء کو منہما کیا اور جواب دیا تین سال۔

ہمارے کشفی صاحب نے تو وہاں جاپانی زبان میں زیادہ کمال نہیں پیدا کیا ہاں ان کے بیٹے عاکف خوب فر بولتے ہیں عاکف نے نہیں نرا دکھایا جاپان کا قدیم ترین دارالحکومت اس کے پرانے مندروں کی سیر کرائی نارا کے غزالوں میں گھمایا اور ڈریم لینڈ پھیرایا یہ ایک جگہ ڈرائی لینڈ کے نمونے کی نارا شہر میں جس کے مختلف حصے ہیں جنگل، لینڈ ایڈنچر لینڈ اور ناجانے کیا کیا لینڈ، ایک مونول بھی ایک مصنوعی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھتی ہے اترتی ہے زوں کر کے برق رفتاری سے فراز سے نشیب میں آتی ہے تو خوف کے مارے آنکھیں ھلی رکھنا مشکل ہوتا ہے اس عزیز کی خاطر سے بیٹھ گئے اور عاکف میاں کے ہاتھ بھی ہماری کمر میں حماں تھے لیکن یہ لگتا تھا کہ اب گرے اب ہمارے پر نیچے اڑے ہم نے کہا خداوند اب کے جان بچالو آئندہ ایسی حرثک نہ کریں گے واقعی نہ کریں گے۔

کشفی صاحب کا محلہ دیکھا جہاں سے وہ ناشتہ لیتے ہیں جہاں سے پھل لیتے ہیں سبزی لیتے ہیں جہاں سے جو تا گھاٹاتے ہیں بالکل ہمارے ہاں کا قصبائی خلوص ماحول تھا اور دعا سلام کے قصبائی تعلقات تھے اور غیر شہری قصبائی خلوص بڑی محبت کے لوگ تھے کشفی صاحب کے السنه خارجہ کے اللشی ٹیوٹ میں پروفیسر کان کگایا کے ملنے گئے جواردو کے عالم اور فارسی کے فاضل ہیں اور ان کا کام دیکھ کر خوشی ہوئی یہیں ایک مہا شہ جی ملے ہم سے برج بھاشا میں باتیں کرتے ہیں بعد میں پتہ چلا یہ بھی جاپانی ہیں ہندی پڑھاتے ہیں ٹوکیو میں ہمارے دوست سوزو کی قاکشی پڑھاتے ہیں یہ واقعی پروفیسر مسا اور فروفیسر گاموکی روایات کے وارث ہیں یہاں کراچی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں پروفیسر سوزو کی اور کان کگایا نے ہمارے ادب کو ان نئے نئے زاویوں سے دیکھا ہے جن کی ابھی تھہمیں توفیق نہیں ہوگی۔

www.HallaGulla.com

جاپان

جولائی ۱۹۷۳ء

Virtual Home
for Real People

جاپان جائیئے تو لاٹین لے کے جائیئے

جب کبھی ہم سفر پر نکلتے ہیں کچھ لوگ ہمیں خوش رہو کچھ اپنے عزیزوں کے نام اس قسم کے خط دیتے ہیں کہ عزیزانعام الحق طالعمرہ جاہل رقہ بہا اپنے ہی آدمی ہیں ان کے ہاتھ چار سیر اچار آمر کا اور سیر بھر موںگ پھلی تمہارے لئے بھیج رہا ہوں واپسی میں دو تھان جارجٹ کے تین گھڑیاں اور ایک استری بھلی کی بھیج رہا ہوں اور ہاں اپنے قیام اور طعام کا بندابست یہ ٹوکیوں میں خود کریں گے تم کوتعدد کرنیکی ضرورت نہیں کچھ دلای دیتے ہیں کہ دیکھنا گھبرا نہیں جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر پڑی ضرور باندھ لینا اور اللہ ہو اللہ ہو کی ضریب گاتے جانا آج کل جہاز بہت گر کرتباہ ہورہے ہیں لیکن موت سے گھبرا نہیں چاہئے،

نشان مردِ مومن با تو گو یم
چو مرگ آید تبسم برلب ا وست

اب کے جو ہم چلے تو عالی صاحب شہر میں نہ تھے حج پر گئے ہوئے تھے وہ دیکھیں گے گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے ہم ان کی سعادت پر رشک اور رشک اور اپنی دنیاداری پر فرین کر رہے تھے کہ موقع دیکھ کر دوسرا ناصحاق مشفق نے گھیر لیا کہ جاتے ہو کس طرف کو کدھر کا خیال ہے اتفاق سے اب کے مشورے کی گنجائش بھی زیادہ تھی کیونکہ تیل کا توڑا یعنی ابر جی کا کراسس چل رہا ہے ایک صاحب نے کہا اے میاں لحاف رکھ لیا ہے ہم نے کہا وہ کاہے کو ہوٹل میں ٹھرنا ہے وہاں کمبل اور لحاف کا بندابست ہوتا ہے فرمایا وہ کافی نہیں رہے گا میری مانو تو ایک گانٹری بھی گلے میں لٹکا لو اور ہفتہ بھر کے لئے کوئے پولی میں باندھ لو میں سرینگر میں گلے میں گانٹری لٹکائے رہتا ہے سردی پاس نہیں پھٹکتی تھی ہم نے کہا اے صاحب پیلے تو ٹوکیوں میں کمروں کو خوب گرم رکھتے ہیں اب بھی کچھ نہ کچھ تو رکھیں گے ہی بولے میرے ایک جاننے والے کے جاننے والے پچھلے دنوں ٹوکیوں سے آئے تھے وہ ہوٹل میں ٹھرے تھے ان کا بیان ہے کہ ہوٹل والے سر شام مسافروں کو کمرے سے باہر نکال دیتے تھے کہ باہر جا کر لکڑیاں یاد رختوں کی ٹھنڈیاں اکٹھی کر کے لا و اپنے کمرے گرم کرنے کے لئے بھی اور ہمارے باور پری خانے کے لئے بھی ورنہ کھانا نہیں مل گا ایک کرم فرماتوا لٹین بھی اٹھالائے کہ آ جمل جاپان میں بھلی کی کفایت کا حکم ہے اسے لے جاؤ ورنہ اندھیرے میں ٹاک ٹوئے مارتے پھر و گے تیل ڈالو اؤں یا خود ڈالو گے۔

ہم نے یہ مشورے نہیں مانے اور خوش جہاز میں جا بیٹھے وہاں ہمارا وہی حال ہوا جو بزرگوں کے مشورے نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے اے صاحبو ٹوکیو کے ہواں اڈے پر تورو شنی کی رونق خاصی تھی لیکن جب شہر کو چلے تو افسوس ہوا کہ ان بزرگ کی لاٹین کیوں نہ لے لی ہوٹل تلاش کرنے میں خاصی وقت ہوتی کیونکہ اس کینام کی روشنیاں تک گل کر دی گئی تھی ہم تو مانے کو ہی تیار نہ تھے کہ یہ ہوٹل ہے لیکن ہمارے دوست امان اللہ سردار ٹوکیو میں ہی رہتے انھوں نے اس کا دروازہ دریافت ہی کر لیا رات کو جب ہوٹل میں سردی لگی اور بخار ہوا تو گانٹری والے بزرگ بھی یاد آئے وہ بات البتہ مبالغہ سے خالی نہ تھی کہ مسافروں کو لکڑیاں چننے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے کم از کم ہمارے ساتھ یہ نہیں ہوا۔

آ کاسا کا پرس ہوٹل ۔۔۔ بارے ہٹل کا کچھ بیان ہو جائے ہوٹل کیا ہے بھول بھلی کا ایک لمبا

سلسلہ ہے خاصی پرانی چیز ہے ہم اپنانام درج کرائے پہلے ایک غلام گردش میں گئے وہاں سے دہنے ہاتھ دوسروی میں مڑے اس کے بعد پہلے لخت ایک بہت پلا سانشی راستہ آگیا۔ اسی میں جا کر آگے دوبارہ باٹیں ہاتھ اور ایک بار دہنے ہاتھ مڑے تو ۷۱۱ نمبر کا کمرہ آیا بیرے نے کھاۓ جناب بھلے وقت میں یہ شاہ کوریا کا محل ہوا کرتا تھا آج کل ہوٹل ہے اب بات ہماری سمجھ میں آگئی سامنے کے حصے میں جہاں پناہ رہتے ہوں گے اور اس کمرہ ۷۱۱ میں اپنے ہاں کے آپزیشن لیڈروں کو الٹا لٹا کر ان کی مومیائی نکالتے ہوں گے اور پھر میں ایک کنڈا بھی تھا ہمیں رات بھروسناک خواب آتے رہے کہ اکٹھ لٹکے ہیں اور ٹپ ٹپ مومیائی نکل رہی ہے۔

چونکہ یہ زیادہ جمہوریت کا اور عوام کا زمانہ ہے لہذا ہوٹل بنانے کے بعد اس کا ماحول غریبانہ کر دیا گیا ہے تا ہم شاہی کی رعایت کچھ نہ کچھ اب بھی موجود ہے مثلاً قیمتیں شاہانہ ہیں کوکا کولا پاچ روپے کا، چائے کی پیالی تیرہ روپے کی وہ ایک روز ہماری کی وجہ سے ہم کھانا کھانے کے قابل نہ تھے اسلئے روم سروں کو فون کیا کہ ایک پیالہ چکن سوپ کو بھیجو فرمایا نہیں ہے ہم نے کہا ٹماٹو سوپ سہی ارے کچھ تو پیٹ میں جائے اس سے بھی انکار ہوا، ہم نے کھا اچھا جو دال دلیے ہے وہ بھیج دوانہوں نے پانی گرم کر کے نمک ڈال کے بھیج دیا کہ صاحب ہاتھ کنسو میں سوپ حاضر ہے ناچار نوش جان کیا اسکا بل تھا ۵۰۰ میں ۵۰ میں سروں چارج لگاتے ہیں ہی ہیں ہمارے پاس بھیں روپے یہاں ہوٹل کے ایک سے زیادہ ایک اور چیز ہے گریجوئی ٹیکس یعنی اللہ کے نام کی خیرات یہاں ہمیں اس تقریب سے اسی خیرات کرنی پڑی کہ خود خیرات مانگنے کے قابل ہو گئے یہ حال تو دوسرے درجے کے ایک چھوٹے ہوٹل کا ہے بڑے ہوٹلوں کی باتیں اور بڑی ہوں گی ہمارے اس کمرے کے داموں پر تو سروں چارج لگاتے ہی ہیں اس سے زیادہ ایک اور چیز گریجوئی ٹیکس اللہ کے نام خیرات کرنی پڑی کہ خود کہ خود خیرات مانگنے کے قابل ہو گئے یہ حال تو دوسرے درجے کے ایک چھوٹے ہوٹل کا ہے بڑے ہوٹلوں کی باتیں اور بڑی ہوں گی ہمارے اس کمرے کے اندر انگریزی میں جو نوٹس ہے معلوم نہیں وہ شاہ کوریا جاتے ہوئے لگا گئے تھے یا بعد میں ہوٹل والوں نے لگایا ہے بہر حال اسے پڑھ کر ہم بہت گھبرائے پہلی نظر میں مطلب یہی سمجھ میں آیا یہاں ہم کو بند کر کے تالا لگایا جائیگا اور دریں اتنا دوسرے میمانوں یعنی ہوٹل کے مسافروں کو آگ می بھونا جائے گا آگ سے بچنے کے لئے ہوٹل کے عملہ کو خود کس راستے سے بھاگنا چاہئے اس کے دریافت کرنے کی ذمہ داری بھی ہوٹل والوں نے ہم پر ڈال دی تھی اس میں کچھ قصور ہماری فہم کا بھی ہو سکتا ہے لیکن اصل عبادت آپ خود ملا خاطہ فرمائیں گے۔

you should be locked the door even
if you are in the room or out of it
especially in bed and for the other
guest special care will be required
by a fire ask and confirm yourself
the position of the exit for room staff

گھوڑوں کی ضرورت ہے

ہم نے پچھلی بار جاپان سے آ کر ایک مضمون لکھا تھا کہ ضرورت ہے جاپان کے لئے ایک گدھے کی اس پر ہمیں جاپان بھجواد تھے، ہمیں بہت سے خط آئے وضاحت کرنی پڑی کہ صاحبو گدھے مت بو بات سمجھنے کی کوشش کرو وہاں تمہاری نہیں بلکہ تجھ کے گدھے کی یعنی جانور کی ضرورت ہے چڑیا گھر کے لئے جاپانیوں کا خیال تھا کہ جاپانی پچھے چڑیا گھر میں گدھا دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہو گا کہ یہ پاکستان سے آیا تو وہ اس سے رشتے سے پاکستان سے بھی تعارف ہوں اور پاک حان دوستی کا راستہ کھلے گا لیکن ہمارے ہاں کے لوگوں نے پھر تھج کی اور کہا کہ اونٹ منگوالو بکرا منگوالو پچھے اور منگوالو گدھے پر اصرار کرو جاپان والے مایوس ہوئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ جب ان کے پاس اتنے گدھے ہیں تو ایک ہمیں دینے میں کیا حرج ہے بہر حال مژوہ ہو کہ اسپین نے گدھا پھج دیا اور پاکستان کی گلو خلاصی ہو گئی ہے اب فرمائش یہ ہے کہ گھوڑا بھیجو بلکہ گھوڑے چلنے کچھ ترقی ہوئی گدھے سے گھوڑے پر تو آئے۔

جاپان میں آدمی زیادہ ہیں اور رقبہ کم ہے پھر چھے کو کام لانا چاہتے ہیں بعض درکار ہوں گے پ جاپان کے ایک ادارے نے ہمارے نمائندوں سے کہا ہزار گھوڑے لاو اور منه مانگے دام پاؤ گھوڑوں سے ہمارے آباو اجدا دکو نسبت خاص رہی ہے بحر ظلمات تک میں گھوڑے دوڑا دئے ڈوب جائیں تب بھی ہرج کی بات نہ تھی وسط ایشیا سے مزید آ جاتے ہیں گھوڑوں کی دیں پکڑے پکڑے ہندوستان آئے اور یہاں نہ صرف سلطنتیں قائم کیں بلکہ گھوڑوں اور گھوڑا اسوار کے بل پر خوش اسلوبی سے کئی صد یوں تک چلا یہاں تک کہ سوتے بھی گھوڑے پچ کرتے ہو گھوڑے کاظمانہ نہیں تانگے میں جتنا ہے یادو لہا سہرا باندھ کر اس پر چڑھتا ہے وہ بھی اس لئے کہ لڑکیاں میرا گھوڑی چڑھیا گا سکیں موڑ پر چڑھنے کے گیت ابھی ایجاد نہیں ہوئے۔

قصہ منظر ہمارے ہاں کے ایک صاحب نے اس کی بھنک پائی اور ان پر ایسی دھن سوار ہوئی کہ زانوں کو خواب میں بھی یہی بڑا بڑا تھے کہ اب تو میں امیر کنرین بن جاؤں گا ایک گھرے پر ہزار ڈالر، ڈیڈھ ہزار ڈالر منافع ہوا تو دس ہزار گھوڑے پر کتنا منافع ہو گا یہ حساب لگانا کسی پاکستانی کے لئے آسان نہیں لہذا ایچاروں کو ایک چھوٹا سا کمپیوٹر خویدنا پڑا دھر کسی نے بھائی ماری کہاے صاحب جاپانیوں کا اپنا سلوٹری ان کو دیکھے گا میں دن پچھیں دن، تیس دن، قرنطہ میں رکھے گا پھر تم کو یہ گھوڑے لا کر جہاز کے انتظار میں کراچی میں رکھنے ہوں گے یہاں طویلے تلاش کرنے ہوں گے کراچی دینا پڑے گا ان کو دانہ کھلانہ پڑے گا ان کے لئے گھاس گھوڈنی پڑے گی یا خویدنی پڑے گی ان میں سے کچھ بیار ہوں گے کچھ مر بھی جائیں گے ان کی تیجیر و تکفین کا سوال اٹھے گا یہ سارے خوچ تو اٹھانے ہوں گے خم آئے گا صراحی آئے گی تب جام آئے گا انہوں نے دانے گھاس کا خوچ پھیلایا تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ لاگت تو گھوڑوں کی قیمت سے بھی آگے نکل جائے گی سنائے کہ اب وہ خواب میں گھاس کا حساب لگاتے ہیں اور واپسی کرتے ہیں کہ ہائے میں لٹ گیا میرے گھوڑے بیمار ہو گئے میرے گھوڑے مر گئے اگر ہمارے پڑھنے والوں میں سے کسی صاحب کے پس دس ہزار گھوڑے ہوں گے تو اپنے ہاتھ کھڑے کریں اور ٹوکیوں میں پاکستان کے سفارتخانے کو خط لکھیں دس ہزار ایک کھیپ میں نہیں

ملتے تو قسطوں میں سہی سور و پے فی گھوڑا ہمارا کمیشن یاد رکھیں۔

اُدھر گزرا میں تانگہ چلانے کی تجویز بھی ہے گزرا کیا چیز ہے یا گزرا کیا ہوتا ہے اکبرالہ آبادی کی زبان میں ایسی جگہ جہاں،

روشنیاں ہوں ہر سو لامع
کوئی ہو کسی کا سامع
سب کے سب ہوں دید کے طامع

یہاں مثال کے لئے الفسین اسٹریٹ سمجھ لججے انارکلی قیاس کر لججے لیکن یہ کچھ ایسے ہی ہے جیسے آغا حشر کو ہم ہندوستان کا شکل سپیر کہتے ہیں الفسین اسٹریٹ کی رونق اور چانکا چوند کوئی سو سے ضرب دے لججے لیکن آج کل نہیں آج کل تو جاپان میں رہتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں خود پنجابی ہیں لہذا فرماتے ہیں میں خود لاچا باندھ کرور پگڑی باندھ کر نجح موز توں کیا کروں گا۔

پہلے جاپان والوں کا کہن تھا کہ اچھا تانگہ وہاں سے لاو گھوڑے یہاں سے لویا کو چباں یہاں کے رکھوان کو سمجھانا پڑا کہ حضور یہ گھوڑا دوڑیا میدان جنگ نہیں ہے کہ جس گھوڑے کو لے آؤ کچھ نہ کچھ کر لے گا تانگہ کھینچا خاصار یاض چاہتا ہے تانگے کے گھوڑوں کی نسل ہی الگ ہے اور وہ محاورہ اور روز مرودہ بھی خاص بھائی اور لوہاری کے چورانوں ہی کا سمجھتے ہیں جاپان والے ہمارے تانگے والوں کی فضیح الیانی کی قدر تو کیا کر سکیں گے سواری کا لطف البتہ اٹھا سکتے ہیں۔

تو ارکو تو گزرا میں شاپنگ کا زور ہوتا ہے لیکن گاڑیاں لانے کا حکم نہیں ہے گزرا کوئی ایک سڑک کا نام نہیں لمبا چوڑا شاپنگ ایریا ہے فی الحال یہ تانگہ کے تو ارکیاں چلا کرے گا اور گزرا میں یہ آوازہ گونجا کرے گا اوتا نگہ والا خیر منگد البتہ تیل کے یہی لیل و نہار رہے تو دوسرے علاقوں میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے اور کیا عجب ہے ہمارے لاہور اور گوجرانوالہ اور حیدر آباد اور ملتان سبھی جگہ کے تانگوں کے لئے جاپان میں گنجائش نکل آئے بی ہائینڈ جیکب لائن والے بھی تیار ہیں۔

Virtual Home
for Real People

کچھ بھاؤ آٹے دال کا

صاحبہ اس سفر میں آٹے دال کا بھاؤ کچھ ہمیں اپنے آپ معلوم ہو گیا کچھ ہم نے جتنے سے معلوم کیا آٹا الحال تو محاورے ہی میں سمجھئے لیکن جاپانی حکومت کی کوشش ہے کہ لوگ گیہوں کھانے لگیں تاکہ خوراک میں تنوع آئے اور بدن طاقت پائے ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ گیہوں کھانے والے کو بالاخوجنت سے نکلتا پڑتا ہے بہر حال جاپان کے ایک نامی گرامی اخبار نے پاکستانی سفارت خانے سے رجوع کیا کہ ہمارے قارئین کو بتا ہے گیہوں سے کیا کیا پکوان تیار ہو سکتا ہے ہمارے دوست امان اللہ سردار نے ہندوکشیا اور خانی داری کی باقاعدہ تربت خود حاصل نہیں کی اپنی بی بی سے پوچھ کے روئی، پڑھا، پوری، کچوری، اور سموسے سے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں لکھ بھیجیں وہ اخبار میں چھپیں اور خانہ دار خواتین نے آزمائیں جاپانیوں کو سب سے زیادہ قیمتی بھرا پڑھا مرغوب ہوا کل کے خط میں ہم نے تانگوں اور گھوڑوں کی ضرورت کا ذکر کیا تھا ہمارا مشورہ ہے کہ تانگوں والوں کی حلیم نصیحت پڑھے والوں کو، جیبی والوں کو، پکوڑے تلنے والوں کو، نان بائیوں کو اور لکھے باقر خانیاں بنانے والوں کو بھی ساتھ بھالئے جائیں لاہور کے مرغ چھولوں والے بھی جاسکتے ہیں اور چنان جو گرم والے بھی قسمت آزمائسکتے ہیں،

کچھ کر لونو جوانوں، اٹھتی جوانیاں ہیں

لیکن بات آٹے دال کے بھاؤ کی تھی ہم تو کیوں میں بھی ہٹھرے اور ہانگ کا نگ میں بھی ڈیڑھ دن قیام کیا ہانگ کا نگ میں پنجاب ہاؤس والوں سے ہماری پرانی یادِ اللہ ہے اب کے بھی ہماری دعوت کی تو ہم نے پوچھا بھی یہ گوشت کس بھاؤ کا سے پاکستان میں تو اتنا مہنگا ہے کہ ہم مہنے میں ایک دوبار کھاتے ہیں یہاں ستا ہو گا کیونکہ ہانگ کا نگ میں چیزیں سستی مشہور ہیں فرمایا چالیس روپے سیر ہے یہ شوہ بکرے کے گوشت کی ہے ٹوکیوں بف ہی ملتا ہے یعنی بڑا گوشت اس کا بھاؤ سننے کے لئے قارئین کرام اپنے اپنے کلکیوں اور کلکیوں پر ہاتھ رکھ لیں قیمت میں ادنیا علی کافر ق ہے سب سے ادنی درجے کا بف ہے آپ خود بھی ٹھکھا سکتے ہیں اپنی بلوں کو بھی کھلا سکتے ہیں ۶۰ روپے سیر ہے اور اعلیٰ درجے کا دوسرو پے ہم نے کہا دوسومن ہو گا بولے نہیں صاحب دوسرو پے سیر ہم نے کہا پھر تو کھی ہی کھی ہو گا آپ نے خود بھی کھایا ہے ہمارے میز بانے کہا ایک دفعہ عرب سفارت خانے کی دعوت میں کھایا ہے اچھے ہوتا ہے خستہ ہوتا ہے ہم نے کہا بھی ہمیں بھی کھلوا ہے ایک آہ سرد بھری اور چپ ہو گئے جاپان میں اسلام ترقی کر رہا ہے جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اب کے وہاں دو بقر عیدیں ہوئیں ایسا اخلاف وہیں ہوتا ہے جہاں مسلمان زیادہ ہو جائیں عربوں نے ۲۳ جنوری کو عید کی ترکوں نے ۵ تاریخ کو ترکوں نے مسلمان سفارتخانوں کو تردعے کہ دیکھنا ۲۴ جنوری یاد رکھنا ادھر ادھر ہو کر ایمان کو بیٹھ مت لگانا کو بے کے بڑے امام ترک ہی ہیں اس کے مقابلے میں عربوں نے اشتہار شائع کئے کہ پانچ کو عید منایے پانچ کو آج کل عربوں کی زیادہ چلتی ہے تاہم کچھ لوگوں نے ایک دن عید کی کچھ نے دوسرے دن بعضوں نے کو طرح منجاش مرنگ تھے دونوں دن جاپان میں اسلام کی مقبولیت کی ایک وجہ اس کی حقانیت کے علاوہ یہ معلوم ہوئی کہ وہاں شادی پر خوچ بہت اٹھتا ہے اگر شتوں مہب کی رسوم کے ساتھ یکجھ تو ۵ لاکھ یعنی ۳۰۰ ایک ڈال۔ ۱۰ روپے بدھ مت کے قاعدے سے کوئی تین لاکھ یعنی عیسائی رسوم کے ساتھ ایک لاکھ مسلمانوں میں چند ہزارین میں

بھلگتان ہو جاتا ہے مفت ہی سمجھنے کو بے کے مام مسجد جو آسانی سے لوگوں کو مسلمان نہیں بناتے اس میں یہی رمز ہے وہ اسلام قبول کرنے والوں کو صدق دل سے مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں جوئی زمانہ ذرا زیادتی ہے ادھر جاپانی روحانیت اور مابعدار الطبعات سے زیادہ معاشیات کے نقطہ نظر سے اس چیز کو دیکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مذہب میں پمپے نچتے ہوں کام مفت ہوتا ہے اس سے سچاند ہب کون سا ہو سکتا ہے۔

ٹوکیو سے ہانگ کانگ کا نگ پہنچتے تو دیکھا کہ پورا شہر جھنڈے جھنڈیوں سے آراستہ ہے لوگ زرق برق لباس اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن پہنے اہلے گھلے پھر رہے ہیں ہم نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اے بھائی یہ ہمارا استقبال ہے ہم نے تو آنے کی اطلاع بھی نہ دی تھی بڑے باخبر لاگ ہوتم اس نے کہا جی یہ چینی نیوائیر کی تیاری ہے سال نو کی ہمیں معلوم نہیں چین میں نیوائیر سال میں کے بار آتا ہے ہم توجہ بھی آئے یہا نیوائیر کا کھڑاک دیکھا ایسا لگتا ہے کہ جب بھی ہمارے آنے کی اطلاع ہوتی ہے چین والے نیوائیر کا اعلان کر دیتے ہیں کہیں ہم سال دو سال کو ناغہ کر دیں تو یہاں وقت رک جائے نیوائیر آئے ہی نہیں اشار فیری کے گھاٹ کے پاس ہی کولون ہانگ کانگ سے کینٹین جانے والی ریل کا اسٹیشن ہے یہاں بھی عجب ایتمام تھا خلقت کا ازوہام تھا یہاں مسافر اپنا سامان بیٹگوں سے اٹھا کر جلتے ہیں کاندھے پر بانس کا ڈنڈا اس کے ایک سرے پر رہی سے بستر لٹکایا دوسری طرف سٹکیس پھنسایا ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے کینٹین جا رہے ہیں چین کو ان سب کے لئے مادرطن کی حیثیت حاصل ہے ہانگ کانگ میکاؤ، سنگاپور، وغیرہ سب اسکے نچے بچوں ٹنگرے ہیں جو اشتیاق ہمارے ہاں ج پر جانے والوں میں ہوتا ہے وہی نوروزہر چین جانے والوں میں ہم نے پایا خود ہانگ کانگ میں ہجوم سے ٹریفک کی پابندی لگ گئی پارکنگ ممنوع پولیس کمشن نے ٹیلی ویژن پر لوگوں کو مشورہ دیا کہ ذاتی کاریں باہر مت نکالو بس بکڑو یا پیدل جاؤ۔

لوگ تو ہانگ کانگ فقط خویداری کے لئے جاتے ہیں لیکن ہمیں اس کی فضا سے یک گونہ انس ہے یہ ہم جزیرہ نما کی نکڑ کولون کا ذکر نہیں کر رہے وکٹوریا کے جزیرے کی بات کر رہے ہیں سمندری فیری کا سفر انگریزوں کی عظمت رفتہ کی یاددالنے والی عظیم جسمیں عمارتیں، وردی پوش سکھ دربان سڑکیں ہو اور ہی اوپر چڑھتی ہوئی پر تیچ پر اسرا ر گلیاں پیڑا کی چوٹی تک مکانوں کے سلسے بلکہ عین چوٹی کے اوپر بھی پندرہ سولہ منزلہ اونچی عمارت رات کو عجب جگر مگر کا عالم ہوتا ہے یوں سمجھتے کہ ایک پیالہ بادیہ ہے آپ اس کے پیندے میں بیٹھے ہیں اور اس کے کناروں تک روشنیاں ہی روشنیاں اٹھتی چلی گئی ہیں نیچے بازار میں خویدسری کا عالم یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی دکانوں بلکہ کیبنوں پر لاکھوں کا کاروبار ٹورسٹوں کے ساتھ فقط انگریزی کے تین لفظوں میں ہوتا ہے ایک تو much how دوسرے no تیسرے k آپ دکان پر جاتے ہیں اور چیز اٹھا کر پوچھتے ہیں how much کہتا ہے چوبیں ڈالر آپ کہتے ہیں نو اور جانے لگتے ہیں اب اس کی باری ہے پوچھنے کی you how much یعنی تم بھی منہ سے کچھ چھوٹو آپ نے کہا دس ڈالروہ کہے گا نو پندرہ آپ نے پھر کہا دس اب وہ کہے گا کا لو پیسے ہانگ کانگ کی ایک اہر اتی اوپر چڑھتی گلی میں ہمیں فقط ایک دکاندار ملا جسے انگریزی کا فاضل کہہ سکتے ہیں تم از کم تین لفظوں سے زیادہ جانتا ہے جب اس سے ہمارا بھاؤ نہ بنا تو بولا nobuy go یعنی تم کو خویدنا ہی نہیں ہے جاؤ جاؤ میری دکانداری کھوٹی مت کرو سنا ہے کہ جنگ کے دنوں میں ہندوستانی دکاندار بھی صاحب لوگوں سے یو نہی کہا کرتے تھے کہ ٹیکنی ہے تو ٹیکنی شاپ دیکھ ہانگ کانگ کی دعوت میں سعید میر صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی ہمارے میزبان نے ہمیں اور ان کو بڑے چاؤ سے سمجھا بلایا تھا ان کو دیکھ کر شرمدگی ہوئی نہ ہم نے کبھی ان کا نام پہلے سنائے نہ انہوں نے کبھی ہمیں پڑھا ہے وہ

بیچارے سعید میرے تو یہ کہتے تھے کہ بھیپہ مشہور رائٹر ہیں پاکستان کے کئی کتابیں لکھ رہی ہیں ان کا کالم بہت چڑھاتا ہے ادھر ہم سے یہ کہ سعید میر صاحب مایہ نار کھلاڑی ہیں انہوں نے کئی تمجیحیت رکھے تھے آج کے اخبار میں ان کی آمد کی خبر بھی ہے ہم نے کہا، بہت خوشی ہوئی آپ کیا کہلتے ہیں جی وہ بولے ٹینس ہم نے یہ پوچھ کر کہ ٹینس کیا ہوتی ہے ان کے اور اپنے میزبان کے جذبات کو مزید ٹھیس پہچانا پسند نہ کیا آسٹریلیا سے آئے تھے بہت خوش دل جوان ہیں بتایا کہ میر ارشتہ سر سید مر حوم سے ملتا ہے، ہم نے بھی کافی کھیل کھیلانہ کھیلوں کے متعلق کچھ پڑھا کھڑا کھیل فرخ آبادی یک کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ کیسے کھیلا جاتا ہے ہمارے شاہد احمد دہلوی مر حوم کا بھی ایک بار کسی نے بھی میں تعارف کرایا تھا کہ یہ اشوك کمار ہیں شاہد صاحب نے کہا اچھا لیکن یہ کیا کرتے ہیں کچھ تفصیل تو بتاؤ۔ ایک واقعہ سعید میر صاحب نے بھی اپنی خودداری کا بتایا کہ ایک دکان پر ایک سوئیٹر مجھے پسند آیا دکاندار نے دام بنائے پچاس ڈالر میں نے سن رکھا تھا کہ پس اس سے کہا کہ بھائی دس یا بارہ ڈالر اس میں سے کم تو کرو تو بڑی مہربانی ہو گی پورا فقرہ اور اس کی صرف و خوت وہ سمجھا نہیں دس اور بارہ اس کی سمجھ میں آئے بولا۔ بارہ ڈالر نو نو فھیں ڈالر نکالو۔ میں نے پندرہ ڈالر دئے اور سودا ہو گیا۔

Virtual Home
for Real People

www.HallaGulla.com

لکھا

جنوری ۱۹۶۳ء

Virtual Home
for Real People

ابن بطوطة کے تعاقب میں

عزیزو! جب ایران کی شیرنی اور صباحت کے مزے پر پانچ ہفتے گزر گئے اور اس بلدہ خوش نہاد کراچی کے درود یوار سے جی اچاٹ ہوا تو اس فقیرہ نے ایک بار پھر رخت سفر باندھا اور اس جزیرہ حسن و ملاحت کی راہ جسے رام لیلاد کیکھنے والے لئکا کے نام سے اور ریڈ یو سنے والے سیلوں کے عرف سے یاد کوتے ہیں طوطا کہانی میں اسے سندھلہ یپ کا نام دیا گیا ہے اور عرب سراندیپ کہہ کر پکارتے ہیں الف لیلہ کا سند باد جب اپنے چھٹے سفر پر سفرہ سے روانہ ہوا کہ تو ایک روز ناخدانے علی مچایا اور اپنی پیڑی پھینک کر سر پیٹنے لگا اور مارے رنچ و غم کے بے ہوش ہو کر گر پڑالوگوں نے پوچھا خیر باشد بولا ہمراستہ بھول کرنے سے سمندر میں نئے نکل آئے ہیں قصہ مختصر جہاز ڈوبा اور یہ ایک ناپوچرا کرتے جہاں آب ہاضم اور عنبر کی بہتات تھی انہوں نے ایک بحر ابنا کر دریا میں ڈالا اور ایک تنکانے سے گزر کرایک مرغرا میں پہنچے جہاں لوگ کوئی اجنبی بولی بول رہے تھے اور اسے شاہ سراندیپ کے رو برو لے گئے۔

ابن بطوطہ بھی ملدیپ کے جزیروں میں چھنکاچ کرنے کے بعد یہاں پہنچا اور لوگ اسے بادشاہ کے حضور لے گئے تو اس کے پاس بہت اچھے اچھے موتیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا سنے ابن بطوطہ سے پوچھا تم نے اتنے بڑے موتی پہلے کبھی دیکھے ہیں ابن بطوطہ نے کہا جیسا کہ کسی بھی مخفی ہوئے اور گھاگ آدمی کو کہنا چاہئے تھا کہ حضور جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ کبھی نہیں دیکھے بھلا ایسے بڑے موتی کہیں ہو سکتے ہیں اس پر بادشاہ نے حاتم کی قبر پر لات مار کر دو دانے اٹھا کر دیئے اور کھاشرم نہ کرو جو کچھ درکار ہے مجھ سے طلب کروا بن بطوطہ نے کہا حضور میری ضرر یہاں آنے سے یہ تھی کہ قدم شریف کی زیارت کروں حالانکہ بعد میں معلوم ہوا موصوف کا ارادہ مزید نکاح کرنے کا تھا۔

ہرے بھرے جنگلوں اور پانی کے قطعوں کاظمارہ تو پہلے ہی شروع ہو گیا تھا باب ہم ہوائی اڈے پر اترے تھوڑے دور پر ایک برا آمد اور اس کے پیچھے دو تین کوٹھڑیاں نظر آئیں سمجھی مسافر ہاں پہنچے ہمارا خیالی یہی تھا کہ ریستوران ہے ایر پورٹ کی بلڈنگ اس کے پیچھے ہوگی لیکن معلوم ہوا کہ جو کچھ گر قبول افتردار ہے عزو شرف ہم نے اس تھوڑے کو بہت سمجھا اور کشم میں چلے گئے بعد میں سوچا کہ اس چھوٹے سے جزیرے کا ایر پورٹ اس سے بڑا بھی کیا جا سکتا ہے یاد رہے کہ ایر سیلوں کی بین الاقوامی سروں بھی ایک جہاز پر مشتمل ہے جو اصل میں بی او اے سی سے ادھار لیا گیا ہے ہمارے ساتھ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری بھی تھے اور کچھ لوگ ہمیں لینے آئے ہوئے تھے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور کہا آپ ابن انشا ہیں اور میں ہوں آسٹن بج وردھنا ہم نے خوب خوب جی میں سوچا ہمارے ہاں بھی تو جارج گنڈا سنگھڑ اور پیٹر قضل دین وغیرہ نام ہوتے ہیں یہ بھی انکا کادیسی کر سٹانہوگا اب ہم ان کی گاڑی میں بیٹھ گئے یہ سیلوں کے پیش نیشنل بک ٹرست کے سیکریٹری تھے۔

جب ہمیں چلتے چلتے پون گھنٹہ ہو گیا بلکہ زیادہ تو ہم نے کہا آپ کا ملک تو بہت خوبصورت ہے لیکن اس کی سیر ہم پھر کریں گے فی الحال کو لمبو چلتے۔
بولے کو لمبو ہی تو جارہ ہے ہیں

ہم نے کہا ہم یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا رادہ پہلے سارے جزیرے کا چکر لگانے کا ہے اچھا تو کتنی دور ہے کولبو۔

بولے بس دس بارہ میل اور ہو گا۔

آخر شہر نظر آیا اور پھر ہم فورٹ کے علاقے میں تھے سامنے ایک بڑی محراب نظر آ رہی تھی ہم نے کہایا کیا ہے۔

بولے یہ بودھوں کا مندر ہے اسٹوپا

یہاں کیوں

بولے جو جہا ز مندر میں آتے ہیں ان کی نظر سب سے پہلے اس گرجا پر پڑی تھی جو سب سے اوپھی عمارا ت ہے چنانکہ یہاں بودھوں کی اکثریت ہے لہذا یہاں اب یہ بودھ عمارت کھڑی کی جا رہی ہے تاکہ آنے والے اسی کو سب سے پہلے دیکھیں ہم نے خوب آسٹن کے عیسائی ہونے کی رعایت سے ہمارا جی تو چاہا کہ بودھوں کی غیر رواداری پر ایک فضح و بلع تقریر کریں لیکن پیاس سے حلق میں میں کائنٹ پڑ رہے تھے یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ میاں آسٹن خود بودھ ہیں مشہور مصنف مارٹن و کرم سنگھ بھی بودھ ہیں اور ڈیوڈی ڈی سلووا بھی آٹھواں گانٹھ کمیت بودھ یہ نام پر تگیزوں کے عہد کی پادگار ہیں جو غیر عیسائی یا غیر عیسائی نام والے کو نوکری نہ دیتے تھے چنانچہ سیلوں کے ڈی سوز اور ڈی سلو وغیرہ نہ پر تگیزی ہیں نہ گوانی خالص سیلوں اور سنگھاتی بودھ ہیں آسٹن نے بتایا کہ لوگوں نے حکومت کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے نام رکھ لئے تھے،

مسلمانوں نے بھی ہم سے پوچھا

آسٹن نے کہا، مسلمانوں نے البتہ اپنے نام کبھی نہیں بدے وہ اپنی وضع پر قائم رہے ہم بھی آئندہ کوشش کر رہے ہیں کہ خالص دینی نام رکھیں۔

لی اوے سی نے جب کراچی میں ہمی ٹکٹ دیا تھا تو ساتھ ہی کہ دیا تھا کہ آپ کے لئے سی ویو کلب میں کمرہ بک کر دیا گیا ہے جب ہم ہوٹل پہنچے تو کلب کی وجہ تسبیہ معلوم ہوئی یہ ایک دوفر لانگ لمبی گلی میں واقع ہے اسے طے کر کے بڑی سڑک پر آئیں اور گوئی آدھ میل دہنے رخ چلیں تو ایک جگہ ایسی ہے کے وہاں سے مندر صاف دکھائی دیتا ہے۔

اس وقت تک دن کے گیارہ نج رہے تھے اور گرمی کا وہ عالم جو کراچی جو لائی میں ہوتا ہے ڈا

کٹ راختر حسین نے کہا ہمیں کمرے دکھائیے تاکہ نہاد ہو کر آرام کریں اس پر بیروں نے میجر کی طرف دیکھا وہ میجر نے بیروں کی طرف اس کے بعد نہایت ادب سے کہا سی الحال یہیں تشریف رکھئے،

آخر کیوں

میجر نے ایک پاؤں سے دوسرے پر اور دوسرے سے پہلے پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔

کس کا انتظار

کمرے خالی ہونے کا۔

ہم نے فوراً، او، اے، ہی کی چٹ دکھائی کر آپ کے لئے سی ویو کلب میں فیس کلاس کمرہ ریزرو ہے۔ میجر نے کہایا تو ٹھیک ہے لیکن کمرہ خالی ہونے میں وقت لگے گا بس دو تین گھنٹے اور یہیں انتظار کر لیجئے اس کے

بعد دو نہیں تو ایک کمرہ خالی ہونے کی قوی امید ہے۔

ڈاکٹر اختر حسین بہت بیتاب ہور ہے تھے بولے جی میں تو چلا کوئی بھی ہوٹل مل جائے گاں فیں (وہاں کا تیج لگزیری ہوٹل ہے) اس لئے نہیں گئے تھے کہ شور اور ہنگامہ بہت ہے لیکن وہاں کمرہ تو کم از لم مل جائے گا ہم نے خوشامد درآمد سے انہیں راضی کیا اور انناس کا شربت پلوایا لاوَنْج میں بیٹھے بیٹھے دونج گئے آخو کمرہ مل اعلوم ہوا وہ جرمیں اس ہوٹل میں فروش تھے جہنوں نے ایک روز قبل جانے کا وعدہ کیا تھا اور اب اڑ گئے تھے کہ جب ہمارا جی چاہئے گا جائیں گے نہیں جاتے کراوشا کا یت ہماری۔

**Virtual Home
for Real People**

سواد شہر کو لمبو

کولبو جانے سے پہلے ہم نے دیوند دیستار تھی اور اے حمید کی کہانیاں پڑھ رکھی بھیں اور خیال یہ تھا کہ وہاں دن بھر سیم محربی چلتی ہو گئی یہاں دیکھا کہ یہ تو بلده گردو گرماء ہے ہوٹل کا کمرہ بھی اتفاق سے ایسا آرا م دہ اور گرم ملا کہ ہیٹر لگانے کی ضرورت نہ تھی ڈاکٹر اختر حسین گرمی سے بہت مضطرب تھے بولے تمہاری یہ کیفیت کیوں نہیں ہن نے عرض کیا کہ بندہ کچھ روز ملتان رو آیا ہے مطلب کیا ہے ہم نے عرض کیا جہنم میں جہاں ہر طرف گھنگاروں کی تادیب اور عقوبت کے لئے آگ کے الاڈ بھڑک رہے تھے اور لوگ گرمی سے جل بھن کر الاماں الاماں پکار رہے تھے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک شخص لحاف کی بکل میں بیٹھا ہٹھن سے کانپ رہا ہے بلکہ دانت نج رہے ہیں ایک فرشتے نے جبرت سے پوشھا آپ کی تعریف پتہ چلا ملتان کے ہیں

واضح رہے کہ یہ حال جنوری کے مہینے کا ہے اور ہم ایریان سے آرہے تھے جہاں جتنے دن رہے یہی خیال رہا کہ ریفری ہجڑیٹ کے اوپر کے خانے میں بیٹھے ہیں بلکہ گرتی دیکھی معلوم ہوا کہ کولبو کا موسم تو یہی ہے جنوری ہو یا جون مارچ ہو یا ستمبر، نہ ساون ہرے نہ بھاروں سوکھے یہ علاقہ جس میں ہمارا ہوٹل تھا ایک طرح کی سول لائے سمجھتے جہاں بڑے بڑے نگلے تھے ان سے نکلیے تو ڈھاکہ شروع ہو جائے گا وہی لباس وہی پھل پھول پودے وہی لوگوں کی رنگت اور نین ن نقش دیسے، ہی مکان اور دوکانیں فورٹ کے علاقے میں بھی جہاں چلے جائے اور نئے طرز کی عمارت شاید ہی کوئی ہو بنکوں کی عمارت انگریزوں کے زمانے کی ٹھاٹھ دار بلڈنگیں جا بجا میں نیشنل اینڈ گرنڈے بنک مرکٹنائل بنک چارٹر بنک وہی پتھر کی ٹھوس بے آثار کی عمارتیں جن کی روشنیاں موسم کے اثرات سے دھوانی ہوتی لمبے لمبے برآمد دھوٹی پوشوں کے ہجوم گپ کرتے ہوئے چپر اسی چائے پیتے ہوئے گلرک یہ زمانہ بیگم بند رانا نائک کے عروج کا تھا بھی چند دن پہلے حکومت نے بیڑوں پیڑوں کو نشیانہ کیا تھا بر ماشیں اور سینڈر ڈائل والوں کے بورڈ اتارے جا رہے تھے اور سری لنکا کے بورڈ ان کی جگہ لے رہے تھے غیر ملکی بنکوں کا چل چلا و تھایہ پابندی لگائی جا چکی تھی کہ کوئی نیا کاؤنٹ سوائے بنک آف سیلوں کے کہیں نہیں کھولا جا سکتا امریکہ امداد بند کرنے کا اعلان کر چکا تھا اور لوگوں کے چہرے نئے قزم کے ساتھ تتمثیم رہے تھے شاملی علاقوں میں جو بھارتی اسٹبلوں کی ماجدہ تھی حکومت سختی سے کاروائی کر رہی تھی اور روزانہ بہت سے لوگ سملنگ کرتے گرفتار ہو رہے تھے تامل سنگھائی جھگڑا بھی چل رہا تھا بھارتی سیٹھ اپنا پیسہ ہندوستانی روپے میں بدلوار ہے تھے تیجہ یہ کہ سیلوں کے سکے کا بھاؤ بہت گرگیا تھا پیس والوں کی گمراہی کے بوجود فورٹ کے علاقے میں قریب قریب ہر دکان کرنی کی بلیک مارکیٹ کا اڈہ تھی امریکی ڈالر کا سرکاری بھاؤ تو پونے پانچ روپے تھا لیکن بازار میں اس کے گیارہ روپے با آسانی مل جاتے تھے بازار سے گزرتے ہوئے جگہ جگہ لوگ لپک کر آتے اور پوچھتے بھارتی روپیہ ہے بدلوا ہئے گا پچاس دیجھے سو لیجھے۔

بارے ہوٹل کا کچھ بیاں ہو جائے گاں فیس ہوٹل کولبو کا سب سے پرانا اور مشہور ہوٹل ہے جس کی عقبی کھڑکیاں عین سمندر پر کھلتی ہیں بی اے او سی کا ففتر اسی میں ہے اور سبھی غیر ملکی یہیں ٹھر رہے ہیں لیکن یہ مہنگا بھی ہے ہمارے دوست ہو شنگ ایرانی ہم سے پہلے فورٹ کے ہوٹل پر دبان میں رہ گئے تھے لوگوں کے شورو شغب اور کھانے کے احوال سے قطوع نظر پریوں کے متعلق ان کا بیان یہ تھا کہ آپ ماچس بھی منگائیں تو باقاعدہ طشتہ میں سجا کر لاتے ہیں اور جھک کر آداب کرتے تھے کہ امیدوار کرم ہیں میز صاف کرنیں پر پختشیش چادر بد لئے پر پختشیش پانی پلانے پر پختشیش،،، گھوڑا آگے بڑھانے پر پختشیش، فرماتے تھے جب میں رخصت ہوا تو پچیس آدمی قطار بادھے کھڑے تھے معلوم ہوا کہ کویہ میرے برآمدے میں جھاڑ ولگا تھا دو میری

غیر موجودگی میں غسلخانے کی دیکھ بھال کرتے تھے تین چار روم بیرے تھے ایک دوچائے لانے والے، تین چار کھانا کھلانے والے یہ بھی ہوشیار نکلے سیلونی اخلاقی کا ایرانی اخلاق سے جواب دیا اب لوگوں کے مودبانہ سلاموں کا جواب اور زیادہ مودب سلام سے دے کر نکل آئے ہم سے ایسا نہیں ہو سکتا۔

لیکن ہمارا ہوٹل سی وی کلب ہوٹل کم اور کلب زیادہ تھا زیادہ تربذھے انگریز اور کچھ امریکی جرمن پوش وغیرہ اسمیں سالہا سیال سے مقیم تھے کپریلوں کی حصتیں تھیں معلوم ہوا کہ انگریزوں نے جنگ جے دنوں میں جو بار کیس بنا میں تھی انہی میں یہ بھی تھیں آگے کمرے پیچے لمبا لمبا برآمدہ نما غسل خانہ، کمرے اور غسل خانہ کے درمیانکوئی کوڑا نہیں تھا کھلا دروازہ تھا لہذا کمرے میں ایک سے زیادہ آدمی ہوں تو غسل خانہ والے کو برابر وقفے وقفے سے کھانس کھنکار کر اپنی موجودگی کی اطلاع دینی ہوتی تھی پیچھے کی شیشوں کی جھملموں میں سے کچھ ثابت تھیں کچھ ٹوٹی ہوئی اور ادھر سے نوکر چاکر بیرے خانسار مالی وغیرہ برابر گزرتے تھے ایک بار ہمیں خیال گزرا کہ شاید نیوڈ کلب ایسے ہی کلب کو کہتے ہیں لیکن ڈاکٹر اختر حسین نے فرق بتایا کہ اس میں آپ بھی دوسروں کو ننگا دیکھ سکتے ہیں یہاں معاملہ یک طرفہ ہے۔

کھانا ہمیشہ ولا تی ملتا ہے یعنی پھیکا، سیٹھا، دو دن کے بعد ہم نے کھانا چھوڑ دیا اور انناس منگا کر کھانے لگے انناس کا ٹکڑا ہر کھانے کے بعد ملتا ہے اور ناشستے میں بھی چونکہ ہاضم ہوتا ہے لہذا لوگ چورن کے طور پر کھاتے ہیں ہمارا حال اتنا تھا ہم پانچ شھر قاشیں بڑی بڑی کھا کر پیٹ بھر لیتے تھے اور پھر اس چورن کو ہضم کرنے کے لئے ایک دو توں نوش جان کرتے بیلوں کا مقامی کھانا مدرسکی طرز کا ہے بھارت میں دال ڈال اور میٹھوں میں بھیچ نخوڑ کر زبان سے چاٹ لواس کے لئے مشق ذوق کی شرط ہے پاکستانی کا ایک ہوٹل تلاش کے بعد ملا ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں اور کرنل مجید ملک بھی بھی یہاں آ کر لذت کام و دہن حاصل کرتے رہے ہیں کھانا بس ایسا تھا ایک آدھا بار کھایا ورنہ بالعموم انناس کے ساتھ توں کھاتے رہے بھی بھی صاف شفاف شوربہ بھی پی لیتے ہیرے ہمیشہ کچھ نہ کچھ بتاتے رہتے تھے کہ فلاں چیز کا شوربہ ہے لیکن پکانے والے سے بالمال تھے کہ شکل اور لذت میں ذرہ بھر فرق نہ آیا ہم نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہمیں تو لگتا ہے کہ خالص پانی میں نمک جوش دے دیتے ہیں اور پلیٹ میں لا حاضر کرتے ہیں بولے پی جاؤ گرم پانی اور نمک پیٹ کے لئے نفید مانا جاتا ہے۔

پورا تو ہم نے کراچی نہیں دیکھا کولمبو کے متعلق کیا دعویٰ کریں کہ سارا دیکھ لیا اصل بات یہ ہے کہ ٹیکسی والے مانع آئے ورنہ ارادہ چپے چپے کی سیر کا تھا تہران میں تو شہر کے اندر جہاں بھی جاؤ خواہ قہ آدھا میل دور ہو یا پانچ دس میل ریٹ وہی پندرہ ریال یعنی پندرہ آنے اصفہان میں جہاں بھی جائیں دس آنے دو دیجھے شیراز میں اندون شہر ہر جگہ آپ پانچ آنے میں جاسکتے ہیں اس سے کسی چھوٹے شہر میں ہم ہمیں گئے شاید آنے دو آنے میں یامفت بھی قبصے کی سیر کراتے ہوں گے۔

لیکن یہاں بات کولمبو کے ٹیکسی والوں کی تھی کراچی کے رکشا حق بدنام ہیں کہنے کو تو کولمبو کاریٹ آٹھ آنے یادس آنے میل ہے لیکن یہاں میل کی لمبائی ٹیکسی والوں کے مزاج پر مختصر ہے انگریزوں کی انڈھی تقليید میں ۲۰۷۱۱٪ کی پابندی نہیں ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ آپ نے ٹیکسی والے کو آواز دی تو ایک میل وہیں ہو گیا اس کے رکتے تک دو میل ہو گئے اور جب آپ دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے تو چوتھے میل کا کراچی شروع ہو جاتا ہے بعد ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ پیشک اکٹھ لوگ میٹر میں گڑ بڑ کرتے ہیں لیکن ایماندار ڈرائیور بھی ہیں جو

خمار گندم

دوسرے میل سے کرایہ شروع کرتے ہیں

www.HallaGulla.com



Virtual Home
for Real People

چھڑی کی تلاش میں

ڈاکٹر اختر حسین کو چھڑی کی تلاش تھی وہی جو سیر کرنے کی چھڑی ہوتی ہے ایک بار ہم مری جانے کو تھے تو انہوں نے فرمایا وہاں دیکھنا اور مل جائے تو لے آنا انہوں نے اچھی طرح ہمیں اس کی وضع قطع سمجھا دی اور ہم بھی خوب اچھی طرح سمجھ گئے لیکن مری سے جو چکڑی آتی تو ڈاکٹر صاحب کچھ خوش نہ ہوئے بولے یہ شے مطلوبہ نہیں ہے مجھے جو چھڑی چائے وہ اور طرح کی ہوتی ہے اس دستے ذرا ٹیڑھا ہونا چائے لیکن زیادہ بھی نہ ہو ہم نے عرض کیا سمجھ گئے اب آئندہ غلطی مت کرنا انہی دنوں ملتا نجاتا ہوا اور شے مطلوبہ پا کر ہمیں خوشی ہوئی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسے بھی رو کر دیا اور کہا کہ یہ بھی بالکل درست نہیں ہے میں نے آپ کو تباہی تھی آخو ڈھاکے کے ایک بازار میں گھومتے گھومتے ہمیں عین مین ناک نقشے کی چھڑی مل گئی اور ہم نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عمدہ ہے لیکن میرے بھائی جیسی چھڑی میں کہتا ہوں ویسی آپ کیوں نہیں لاتے۔

ہمیں حاتم کا قصہ پیدا آگیا جس سے ساتھ فرمائیں کی گئی تھیں جن میں حمام کا پتہ چلانا اور اندے کے برابر موتو لانا بھی شامل تھیں حاتم نے جنوں دیوں اور اثر دھوں سے لڑ بھڑ کر یہ سب چیزیں فراہم کر رہی تھیں انسے ڈاکٹر اختر حسین کی مطلوبہ چھڑی کے لئے کہا جاتا ہے تو ممکن ہے کہیں سے پیدا کر دیتے لیکن ہمیں ذاتی طور پر اس میں شک ہے۔

اب جو کلمبو میں دوپھر کے کھانے کے بعد ہم نے جماں لی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

کیا ارادے ہیں ۔۔۔۔۔

سر بستر خواب راحت جانا چاہتا ہوں یعنی سونا چاہتا ہوں۔

فرمایا؛ جو سوتا ہے سوکھوتا ہے اور پھر سونے کو بہت عمر پڑی ہے اس وقت بازار چلو؛
خیریت۔

فرمایا چھڑی لینی ہے۔

ہمیں بھی اشتیاق تھا کہ کہیں وہ کوئی چھڑی یے جس کا حلیہ وہ ہمیں سمجھا نہیں پاتے دوسرے یہ بازار دیکھنے کا اچھا موقع تھا لیکسی ہوٹل کے دوازے پر ہی مل گئی تھی جب ہماری گھڑی میں تین منٹ اور اسکے میٹر میں تین میل ہو گئے تو ہم اس میں سے اتر گئے ابھی ہمارے ہوٹل کا صدر دروازہ پوری طرح نظر سے او جھل نہ ہوا تھا ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا حیرت کی بات ہے کہ تین میل سے ہوٹل صاف نظر آ رہا ہے بولے ہوا کی تاثیر ہے فوراً پسی دے دو ورنہ یہی فاصلہ چار میل کا ہو جائے گا یہ رہ بڑا ملک ہے یہاں ہر چیز میں پلک ہے۔

اب اکاد کا دکانیں شروع ہو گئی تھیں اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں بالکل ڈھاکے کا نقشہ تھا

ویسی ہی دوکانیں ویسے ہی لوگ ویسے ہی ان کے ملبوسات ڈھاکے کے میں بنگالی بستے ہیں یہاں سنگھامی وہ بنگالی بولتے ہیں یہ سنگھامی بولتے ہیں نہ وہ ہمیں آتی ہے یہ ہاں ڈھاکے می اردو سے کام چل جاتا ہے یہاں نہیں چلتا آسانی یہ ہے کہ یہاں قریب قریب سبھی لوگ انگریزی سمجھ اور بول لیتے ہیں ایک روایت کے مطابق سنگھالیوں کے بزرگ بدھ مت پھیلانے کے لئے بنگالی ہی سے آئے تھے۔

لیکن یہ بات ڈاکٹر حسین اختر کی چھڑی کی تھی ایک دوکان سے دوسری دوکان دوسری سے تیسرا فرنچپر والے، یانسوں والے، گھوروں کی کاٹھیاں بنانے والے، بساطی، نون تیل بیچنے والے، دوا فروش، بزار، نائی، ڈرائی کلینیز، گھر سیاز سمجھی کی دکانیں دیکھ ڈالیں لوگوں نے طرح طرح کی چھڑیاں، ڈنڈے ٹکوے شیتیر لالا کے دکھائے اور چھڑیوں میں ٹیڑھی، سیدھی گول، چپٹی، شام والی بغیر شام والی، کتوں کو بھگانے والی، گدھے ہانکے والی، گلڑی کی، بت کی، لوہے کی پیتل کی ہر وضع اور قسم کی تھیں لیکن در مقصود یہاں بھی ہاتھ نہ آیا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ فورٹ میں دیکھیں گے ورنہ پٹے چلیں گے۔
ہم نے عرض کیا۔ یعنی

فرمایا۔ فورٹ کو تو صدر یا بندر روڈ، سمجھ لو اور پٹے ہے جوڑ یا بازار کھارادر میٹھا در۔
ہم نے عرض کیا منظور لیکن اس وقت چلتے ہو تو چڑیا گھر کو چلنے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے۔

یہ چڑیا گھرنہ گاندھی گارڈن کا سا ہے نہ لاہور کے لارنس باغ کا سا ہم نے لندن کے ریجنٹ پارک کا چڑیا گھر بھی دیکھا ہے وہ بھی اپنی الگ دست اور شان رکھتا ہے لیکن کولمبو کا چڑیا گھر جیسے وہی والا یاد رہے ویلا چڑیا گھر کہتے ہیں کچھ اور چیز ہے اسے باغ کہتے یا جنگل لیکن ہے دونوں کے بین بین کولمبو میں جہاں درجہ حرارت کا اوسط ۸۱ درجے ہے سبزہ رخوں کی قلت ہوتا ہو سبزے کی کوئی کمی نہیں ہم رے ہاں سبزے کے لئے کھاؤ ترائی چھڑ کا وغیرہ کے تلف کرنے پڑتے ہیں وہاں سبزے کو روکنے کے لئے طرح طرح کے جتن کیجئے۔ امداد و شمار ہمارے پاس نہیں اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہی والا چڑیا گھر کتنے مربع میل پھیلا ہوا ہے لیکن حد نظر تک جنگل ہی جنگل چھایا ہوا ہے یوں لگتا ہے جیسے اسی جنگل میں سے تھوڑی سی جگہ صاف کر کے شہر کولمبونالیا گیا ہے۔

خیر یہاں وہ سب جانور تھے جو سب چڑیا گھروں میں ہوتے ہیں سوائے اسکے کہ رنگین پرندوں کی کئی نئی فتیمیں دیکھنے میں آئیں وہی ویلا کی خصوصیت ہاتھیوں کا ناج ہے ہفتے میں ایک بار شام کو باجا جاتا ہے اور اسکے ساتھ ہاتھیوں کا ناج ہوتا ہے ہاتھی ایسے سیدھے ہوتے ہیں کہ ڈھول پر چوب پڑھتے ہیں، ہی تھر کہنے لگتے ہیں باجوں میں ڈھول ڈھمکے کے ساتھ طرح طرح کی نفیریاں بھی تھیں ان کی گونج سے آج بھی کان سنستاتے ہیں خیر اس کا ذکر اس کے موقع پر اب چھوٹے بڑے ہاتھیوں کا حلقة رقص قائم ہو گیا بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ دیکھنے والوں میں آدھے یورپین ہوں گے کیونکہ سیلوں کے سیاحتی کتابوں میں ہاتھی کے ناج کا ذکر ضرور ہوتا ہے بعض ہاتھی بچے تو نقارے پر اپنے پاؤں کی تھاپ بھی دیتے ہیں اب یہ جلوس اہر اتا ہوا اور فیل غمزے کرتا ہوا ایک روٹ سے دوسری روٹ پر اور دوسری سے تیسرا پر آتا ہے پھر ایک جگہ رک جاتا ہے اب کوئی صاحب بالعموم صاحبہ آگے بڑھتی ہیں اور ہاتھی میاں اسے اپنی سونڈ میں لے کر گھماتے ہیں اور لوگ تالیاں بجائے ہیں اب جو ہم کسی پاکستانی فلم میں کسی پہلوان ہیر و یا ہیر و ن کو ناچتے یا غمزدہ کرتے دیکھتے ہیں تو وہی ویلا نز کا ہاتھی ناج یاد آیا فرق صرف یہ ہے کہ ہاتھیوں کے ناج میں ایک طرح کار بٹ اور آہنگ ہوتا ہے۔

ابھی سیر سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور بارش بھی ایسی کہ محسن کا کوروی یاد

آئے۔

سوئے کاشی سے چلا جانب متھر ابادل

ابر کے کاندھے پہلاتی ہے ہوا گنگا جل
اور اس کے بعد وہ تریڑے کہ میاں نظیر کے برسات کا تماشا کا منظر کھینچ گیا اور پھر تھوڑی دیر
میں ابر کھل بھی گیا یہ منظر نے نظیر وارثی نے باندھا ہے چناچہ راستے میں تینوں شاعروں کی باتیں ہوا کیں ا
نگریز کیہاں بارش زحمت ہوتی ہے ہمارے ہاں رحمت لیکن یہ بھی پرانی بات ہوئی کراچی کی باران رحمت کو دیکھ
کے خیال ہوتا ہے کہ ہم بھی کم از کم اس کے معاملے میں انگریز ہو گئے۔

کھانے میں دال بھات کا ذکر ہم نے کیا وہ عام آدمیوں کا کھا جا ہے ایک صاحب کے ہاں
دعوت میں ایک تکلف کی ڈش آئی تو پوچھنے لگے بوجھویہ کیا ہے؟
ہم نے کہا معلوم تو چاول ہوتے ہیں بولے جی نہیں چاول کا آٹا پیس کر سویاں بنے جاتی ہیں اور ان کو چھوٹا چھوٹا چاول کے برابر کاٹا جاتا ہے یہ ہے وہ چیز ہم نے پوچھا پھر سیدھے سادھے چاول کیوں کیوں نہیں پکائے بولے وہ تو گنواروں کا طریقہ ہے شرفاء کا قاعدہ یہی ہے غور کیا تو معلوم ہوا کہ صرف اس معاملے میں نہیں اور معاموں میں بھی شرفاء کا قاعدہ یہی ہے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا سیلوں کے کہ اصل چاول کو پیس کے سویاں ہیں گے پھر ان کو کاٹ کے مصنوعی چاول بنائیں گے سیدھے سادھے چاول کھانا مبتدل ہے۔

چاول بنانے کے علاوہ ان سویوں کوسیلوں میں جلپی کی صورت بھی دی جاتی ہے اور پھر اسے کبھی سفید چھوڑ دیا جاتا ہے کبھی رنگا جاتا ہے سبزیوں میں کیلے کی سبزی عام ہے پلاو میں جو کاڈا لاجاتا ہے اور ایک انڈا بھی ہوتا ہے چاول کے پا پڑ پر رکھا ہوا ب رہا گوشت تو بودھ لوگ گائے کا گوشت عام کھاتے ہیں ہم نے تجرب کیا تو ایک صاحب بولے یہ مہاتما بدھ کا زمانہ نہیں جناب۔

سودیشی ریل سے ایک سفر

جب کولبوا کے گرد گرمائے جی اچاٹ ہوا تو ڈاکٹر اختر حسین نے کہا اٹھاؤ ڈھول اور تاشے اور چلو کینڈی۔

کینڈی کولبوا سے ۲ میل دور پہاڑ پر واقع ہے اور گزشتہ صدی تک سیلون کے سنہائی بادشاہ ہون کا پایہ تخت یہی تھا کینڈی کی گاڑی علی الصلاح چھوٹی ہے اور چانکہ ہمیں بہت صحیح اٹھنے کی مشق نہیں رہی لہذا فکر کے مارے رات میں تین بار جاگے شیورات ہی کو کے سوئے تھے کہ پھر سحر ہونہ ہو کسے معلوم۔

چبے تھے پاسا تھے صحیح یا نہیں لیکن اس کولبوا اسٹیشن پر بوہن ہمیں سے ہوئی ٹکٹ کی کھڑکی ابھی بند تھی کیونکہ بگنگ تکر ک غسل خانے گئے ہوئے تھے عجج اجاڑ اجاڑ سا اسٹیشن تھا اور اب سے کوئی تیس برس پہلے کامنٹر پیش کرتا تھا لدھیانے کا اسٹیشن یاد آیا لیکن کولبوا کا اسٹیشن اتنا بڑا نہیں بعض پڑیاں تو زنگ آلو د بھی تھیں ہو سکتا ہے کہ اکثر بارش کی وجہ سے یہ کیفیت ہو لیکن ہمیں یہی گمان ہوا کہ انگریزوں کے جنے کے بعد سے ان پڑیاں پر کوئی ریل نہیں آئی ان جن بھی دہ دھوال دھار پرانی وضع کے چمک چمک کرتے جو ہم نے بچپن میں دیکھے تھے اور جن کی پیچھہ پراونٹ کی طرح کوہاں سے نکلتے رہتے ہیں ہمارے پاس فقط دو چھوٹے چھوٹے بریف کیس تھے جن کے لئے قلی کی ضرورت نہ تھی کراچی اور لاہور کے قلی ایک بار جتنا اٹھائیتے ہیں دو، دو بست ایک دوسری کی بغل میں دو دو تین تین سوٹ کیس ایک پر ایک لٹکا ہوا پھل کی ٹوکریاں صراحیاں ناشستہ دان وغیرہ اس کو دیکھتے ہوئے تو ہم جیسے دس مسافروں کے لئے قلی بہت تھا لیکن ہمیں دیکھتے ہی چار چھنگ ننگ دھڑنگ قلی بھاگے آئے ایک نے ہمارا بریف کیس تھا جس میں دو قمیض اردو پاچاۓ تھے ایک ڈاکٹر صاحب کا ہمارے ہاتھ میں ایک اخبار تھا ایک قلی اسے اٹھانے پر مصر تھا اور ڈاکٹر اختر حسین کے ہاتھ میں تھری کیسیل کی سکریٹ کی ڈبی ایک اس کے درپے ہوا۔

اس برعظیم میں جوں جوں مشرق اور جنوب کی طرف بڑھتے جائیں لوگوں کی بدحالی اور نکبت بڑھتی جاتی ہے دو دو چار چار آنے بھی مل جائیں تو ناشستے کا سامان ہو جاتا ہے خیر ہم نے تھوڑی دیر گھوم پھر سے فسٹ کلاس کے ٹکٹ لئے دس دس روپے ہی کے تو تھے اور چونکہ ابھی گاڑی کے پلیٹ فارم پر آنے میں وقت تھا لہذا ایک بیچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے تھوڑی دیر میں یوں لگا جیسے ابر سا چھا گیا ہو نظر اٹھا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تین آدمی بیچ کے پیچھے کھڑے ہمارے اخبار سے لطف انداز ہو رہے ہیں اوت تین سامنے اکٹروں بیٹھے دوسرا سفرد لیکھ رہے ہیں جہاں جہاں کوئی مسافر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا اسی طرح شہد کا چھتہ بنا ہوا تھا معلوم ہوا کہ یہ وہ گاڑی ہی نہیں یہ تو فقط بشارت دینے آئی ہے کہ آپ کی گاڑی بھیاب آئی ہے آخود مقصود ہاتھ آیا اس میں اول درجہ بھی تھا لیکن ملکہ و کٹوریہ کے عہد کا ڈبہ تھا گدوں پر غلاف میلے چیکٹ لہذا اخبار بچھا کر بیٹھنا پڑا ایک طرف کاریڈو ہی اور تین سیٹوں کی کولکیاں سی بنے ہوئی تھیں جن میں آسانی سے پاؤں بھی نہ پھیلایا جاسکیں غسل خانے کے اندر نہیں بلکہ پرلی طرف غسل خانے کے دروازے دونوں طرف چلتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہماری طرف کا دروازہ تو فقط اندر سے بند نہ ہوتا تھا لیکن اس جوڑے کی طرف کا دروازہ باہر سے بھی بند نہ ہوتا تھا ایسے میں غسل خانے استعمال کرنے کا سوال نہ تھا صبر شکر کر کے بیٹھ رہے ہیں نوجوان بھی پاکستانی ہمارے پاس تو بریف کیس تھے یہ اس سے بھی خالی ہاتھ تھے۔

تحوڑی دیر بعد فضا پر ہلکا ابر چھا گیا اعداد شمار کے دلدادگان کو معلوم رہے کہ سیلوں میں سالانہ بارش کا اوسمط ۹۳، ۲۱، انج ہے اور ٹوپر پیچر میں میں سردی اور گرمی کا فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی بہت غیرت والا ہی محسوس کر سکتا ہے جوں میں اوسمط ۳۰، ۸۱، درج ہے اور جنوری میں شاندار رعایت کر کے ۹۷ پر اتر آتا ہے سیلوں کا نقشہ تو آپ نے دیکھا ہوگا جیسے ایک مخن سی نارنگی یا ناشپاتی رکھی ہو اس جزیزے کی چوڑائی کہیں بھی ۰۴۲ میل سے زیادہ نہیں اور لمبائی کی انتہا اس سے دو گنے سمجھے یعنی ۰۷۰ میل ہے کہ اپنی چھاؤنی سے حید آباد ۱۰۸ میل ہے اور اس سے اگلا جنگشن ٹنڈو آدم ۱۳۲ یعنی لنکا کی چوڑائی سے دو میل زیادہ لمبائی میں کراچی چھاؤنی تا ٹنڈو مستی خاں سمجھ لیجئے جو روہڑی سے تین اسٹیشن پہلے ہے روہڑی جنگشن کراچی چھاؤنی سے ۲۹۳ میل پر ہے۔

خیر ذکر ابر کا تھا ابر آیا اور تھوڑی دیر میں برسا بھی گاڑی ہر اسٹیشن پر رکتی گئی اور یہ اسٹیشن زیادہ تر ویسے ہی تھے جیسے کسی پخبر لائی پر ہوتے ہیں راستے میں ایک آدھا جگہ کے سوا اکا دکا مسافر چڑھے اترے خاصی دیر تو ڈاکٹر اختر حسین اپنی داستان حیات سناتے رہے خصوصاً ان ایام کی کہانی جب کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھا سکے بعد تجویز ہوئی کہ چائے جائے معلوم ہوا کہ ڈائنگ وغیرہ کی کوئی کارتوں سے نہیں کیونکہ فاصلے اتنے چھوٹے ہیں کہ ناشتا اس شہر تونچ کر کے شام چلو تو شام کی چائے پی جائے کہ ناشتا کھائیں جو دلی میں تو لندن میں لفظ البتہ ایک چائے والے اسٹال گاڑی کے کسی ڈبے میں تھا اور اس سے بار بار فرمائش کرنی پڑی کہ صاف برتن ہوں تو لانا چائے آئی اور اس کے ساتھ کیک بھی آئے معلوم ہوا کہ جس طرح ہمارے بعض کتب فروش کتاب کے ساتھ خلاصہ ضرور دیتے ہیں اسی طرح چائے کا شوق ہے تو کیک بھی کھانا ہوگا یاد نہیں کہ کیک کھایا نہیں جاتا اتنا یاد ہے کہ پانچ روپے کا بل تھا کینڈی سے پہلے پیری ڈینیا کا اسٹیشن پڑتا ہے یوں سمجھئے کہ کراچی سے پہلے لانڈھی یا ملیر کینڈی کی یونیورسٹی پیری ڈینیا گارڈنز کہتے ہیں اسی گارڈن اور یہیں وہ مشہور معروف باغات ہیں جنہیں پیری ڈینیا گارڈنز کہتے ہیں اسی کی گارڈن میں وہ پورا ہے جو صدر رائوب کے دورے کے دوراں میں انکی صاحبزادی نسیم اور نگ زیب نے لگایا تھا یہ ہمارے جانے سے چند ماہ پہلے کی بات تھی اور یہ پودا جس کا نام بھی نسیم رکھا گیا تھا ہمیں خاص طور پر دکھایا گیا لیکن باغ دیکھنے کی بات تو شام کی ہے پیری ڈینیا اسٹیشن پر یونیورسٹی کے لاہبرین مسٹر سوم داس (لنکا کے تلفظ کے مطابق سوما دا) پیشوائی کے لئے موجود تھے اور ہمیں اپنی گاڑی میں شہر چھوڑ گئے کو لمبوا اور کینڈی کی فضائیں زمین آسمان کا فرق ہے سبزہ، ہر یوں اور پہاڑ تو کو لمبونکنے کے بعد ہی شروع ہو گئے تھے جیسے اسلام آباد سے مری کے راستے میں کینڈی تو بالکل مری تھا وہ بھی سمجھانے کے خیال کہہ رہے ہیں ورنہ کینڈی سے تشبیہ دینا مری کی عزت افزائی ہے۔

شہر شروع ہوا تو کولبو کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی دوکانوں کے بورڈ نظر آتے ہیں نور کمپنی مزمل ہاؤس و ہب اسٹور وغیرہ آگے ایک چوک میں مسلم ہوٹل نظر آیا، ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا ہم کیوں کو نہ رکھ جائیں جبکہ ہوٹل موجود ہے انہوں نے کہا کہ تمہارا اسلامی جذبہ قبل تعریف ہے لیکن میری مانور ہو کو نہ رکھ ہوٹل ہیں ہاں کھانے کی کہتے ہو تو نچ یہاں کر لیں گے اسپر سمجھوتہ ہو گیا اور ہم کا نہ رکھ ہوٹل میں چاہترے کو نہیز ہوٹل کینڈی کا سب سے پرانا اور مشہور ہوٹل ہے اور کینڈی کی مشہور جھیل کے بالکل سامنے واقع ہے سیلوں آنے والے مشاہیر اور سیاح یہیں ٹھرتے رہے ہیں اور اس کی فضائیں ہندوستان کے پرانے انگریزی ہوٹلوں کی تی ہے چوڑے چوڑے کاریڈور بڑی بڑی گدے دار کر سیاں۔ وسیع، وعریض، اور پر تکلف خواب کا ہیں ہر طرف سا گوان اور آبوس کے پینل میں بھی ستر اسی فیصد غیر ملکی معلوم ہوا اور شخصیتوں کے علاوہ سومرسٹ ماہم گراہم گرین وغیرہ بھی یہاں رہے ہیں اور اپنے ناولوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے ہوٹل کے کلرک نے یہ معلوم ہونے پر کہ ہمارا تعلق

بھی لکھنے رہنے والوں سے ہے رجسٹر میں ان بزرگوں کے دستخط بھی دکھائے سارا عملہ خلیق اور متواضع تھا اور ہمیں جو کمرہ پہلی منزل پر ملا وہ ایک طرح سے انتخاب تھا اس کیکھڑ کیاں عین جھیل اور پرکھلتی ہیں اس کے پیچے پہاڑی تھی اور اس پر بدھ کا ایک مندر تھا یہ جھیل مصنوعی ہے اور اسکے چوگرد سیر کے لئے ایک عمدہ سڑک ہے لیکن اب بھوک لگنی شروع ہو رہی ہے لہذا اسامان رکھ رجسٹر میں نام لکھوا کر ہم لوگ عازم مسلم ہو گئے ہوئے۔

مسلم ہو گئے ویسا تھا جیسا کراچی کی بلشن مارکیٹ کے کسی ملباري ہو گئے کو ہونا چاہئے نیچے دی پونا کڑک چائے کاریستوران اور اوپر شرفاء کے کھانے کا انتظام یہرے نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے جو آدمی درجن الفاظ ہندوستانی کے آتے ہیں ان سے ہمارا خیر مقدم کیا اور ایک کیبن میں لا بھایا معلوم ہوا حسن قادر نام ہے اور میں دیکھ چکے ہیں قدم ان کے پھر کی کی طرح گردش کرتے ہیں اور زبان قیچی کی طرح چلتی تھی اور انگریزی سنکھاہی اور ہندوستانی سب کو ایک ساکرتی چلی جاتی تھی۔

ہم سے پہلے کوئی صاحب کھانا کھا گئے تھے اور اسکے آثار باقیہ بھی تک میز پر تھے ہم نے حسن قادر صاحب سے کہا کہ میز پوش بدلو اس پر انہوں نے کاندھ سے جھاڑن اٹھا کر ہڈیاں ادھر پھینکیں اور چاول دوسری طرف زین پر گرانے کے ہمیں مطلع کیا کہ میز صاف ہے اور حکم دیجئے۔

ہماری بھوک چمک رہی تھی اسلئے جو کچھ مینوں میں سمجھ آیا ہم نے آرڑر میں کہہ دیا اور کہا کہ چکن پارچہ ضرور ہو تھوڑی دیر میں میاں حسن قادر چار آدمیوں کا کھانا لے آئے شوربے میں ناریل کا تیل تھا جو ہمارے نزدیک کسی ہیر آئل سے کم نہیں تھا لیکن تھی کافم البدل نہیں لہذا اسے چوم کر چھوڑ دیا ہیاں چاول اور چکن سے شکم پری کی پانی وہاں بھی یہرے گلاس میں انگلیاں ڈبو کر لاتے تھے لہذا اور نج اور سوڈا سے پانی کا کام لیا اور بل دے کر ہم اس بات پر شکر کرتے ہوئے ہو گئے ہو گئے اسے کہ اپنی اخوت اسلامی کوبے اگام نہیں ہونے دیا اور مسلم ہو گئے میں طعام کے علاوہ قیام نہیں کیا۔

اس کے بعد کھانا چینی کھایا ایک ولایتی اور پاکستانی۔۔۔ اپنے دوست ڈاکٹر اختر امام کے ہاں جو پہلے پاکستان کی فارن سروں میں تھے اور اب پیری ڈینیا یونیورسٹی میں عربی پڑھاتے ہیں اور سیلوں میں شادی کر کے اسی کو بنالیا ہے مسلم ہو گئے میاں حسن قادر اور اخوت اسلامی ان کا رکان نلاٹھ سے البتہ آخو تک گریز رہی مناسب معلوم ہوا۔

لنکا کے لا ہور کینڈی میں

یہ کینڈی ہے کولمبو سے ستر میل دور سبزے سے پٹھوئے کوہساروں کے درمیان صدیوں تک یہ شہر سنگھائی راجوں کا پایہ تخت رہا حتیٰ کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں اس خاندان کے آخوی راجے نے جیسا کہ ہر خاندان کا آخوی راجہ کیا کرتا ہے کرتا ہے لوگوں پر ستمن ڈھانا شروع کیا اور اس کے سرداروں نے ایک کر کے اسے تخت سے اتار دیا اور مملکت کی ٹلیڈ سلطانی کولمبو آ کر انگریزوں کے حوالے کر دی کہ بسم اللہ تشریف لائیے اور راجہ کیجھے انگریزوں کو یہاں لڑ بھڑ کر قصبه نہیں کرنا پڑا بلکہ حکومت ان کو پیش کی گئی ہاں ایک معاملہ کیا گیا کہ لوگوں کو زبردستی عیسائی نہ بنایا جائے گا انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ جس صلح صفائی سے انگریز آئے اسی صلح سے چلے گئے بیان کیا جاتا ہے کہ جب ۱۹۷۸ء میں ان لوگوں نے ہندوستانی اور پاکستان سے رخت سفر باندھا تو سیلوں والوں سے بھی اجازت چاہی کہ مکان سے جاری ہے ہیں تو غسل خانہ اپنے پاس رکھ لیا کریں گے لوگوں نے کہا بھی کہ آپ کا گھر ہے چندے اور قیام کیجھے لیکن مسافر کا جی اکھڑ گیا ہے آخو فرماش کی گئی کہ آپ آزادی دینے پر ایسا ہی اصرار کرتے ہیں تو اپنی یاد دلانے کو ایک گورنر جزل ہی چھوڑ جائیے یہ بات البتہ مان لی گئی اور کچھ دنوں وہاں کا گورنر جزل ہی چھوڑ اور کچھ دنوں وہاں کا گورنر جزل انگریز رہا۔

لنکا میں انگریزوں سے ان مخلصانہ تعلقات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ساحلی علاقوں کی حکومت جن میں کولمبو بھی شامل ہے لنکا والوں سے نہیں ولندروں یعنی ہالینڈ والوں سے چھپنی اور انہوں نے پر ٹکڑے زوں سے ہتھیاری تھی۔ ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرح یہاں بھی چلے آئے اور حسب دستور سنگھائی راجاؤں سے ایک فیکڑی قائم کرنے کی اجازت لی۔ ان دنوں سنگھائی راجاؤں کا بڑا پایہ تخت کولمبو کے قریب کوئی میں تھا۔ پر ٹکڑے کا تعصُّب اکھڑ پن اور بہمت ہمیشہ سے مشہور ہے لہذا لوگوں کو پر ٹکڑی پسند آئے اور کوئی کے راجا بھی چونکہ کمزور اور نالائق تھے۔ لہذا ٹوڈی ٹھرے اور کینڈی میں ایک آزاد بادشاہت کی بنیاد رکھی شمال میں تامل راجاؤں کی حکومت کو تو سترھویں صدی کے وسط میں پر ٹکڑی کونکالا کینڈی کے راجاؤں کا کچھ نہ بگاڑ سکے یہ نسبتاً چھے لوگ ثابت ہوئے انہوں نے پل چارہ گرجا اور تالاب وغیرہ فیض کے اسباب بنائے اور نام پیدا کیا ڈیڑھ صدی بعد ۱۹۸۷ء میں انگریزوں اور دنیزی رجاتے ہوئے اپنی اولاد البتہ چھوڑ گئے یہ لوگ بر گھر کھلاتے ہیں آباداں کے پر ٹکڑی اور دنیزی ہو جاتے ہیں آباداں کے پر ٹکڑی اور دنیزی اور شاذ صورتوں میں انگریز اور مائیں سیلوںی تھیں۔

کینڈی کو لنکا کالا ہور یعنی ثقافتی مرکز کہا جاتا ہے کینڈی میں راجاؤں کے محالات کی باقیات موجود ہیں لیکن زیادہ تر لوگ پیری ڈینیا کے باغات اور بدھ کے دانت کے مندر دیکھنے جاتے ہیں یہ باغ جن کے درمیان پیری ڈینیا یونیورسٹی ہے کینڈی سے کوئی پانچ دس میل فاصلے پر ہیں اور صدیوں پرانے ہیں کہتے ہیں کہ راجا کروم باہو دوم نے ان کی بنارکھی تھی یہ سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی اونچائی پر ہیں سوم داس صاحب یونیورسٹی لائبریری نے پہلے اپنا گھر دکھایا جو قلعہ کوہ پر واقع تھا اور میلوں دور کے نظر فریب جنگل وہاں سے دکھائی دیتے ہیں ہم نے کہا کہ اتنی اچھی جگہ رہ کر کسی کا کتابیں پڑھنے کو کیا جی چاہے گا ڈاکٹر اختر حسین سے بھی یہی سوال کیا کہ زاہد تھے قسم ہے جو تو ہو کیا کرے اس پر دونوں ہنس دیئے یونیورسٹی کے بلاک ٹھوڑے ٹھوڑے فاصلے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان بھی باغوں کے سلسلے ہیں یہ لگتا ہے کہ طلباء اور طالبات کے ہجوم یہاں پڑھنے نہیں پہنک منانے آئے ہیں ایک چکر ہم نے لائبریری اور بدھست انسائیکلو پیڈیا کے دفتر کا کاٹا جوا سلامی انسائیکلر پیڈیا سے بھی ضمیم ہو گئی اور جس پر دن رات اسکالر محنت کر رہے ہیں پھر ڈاکٹر اختر حسین امام

کے کلاس روم میں گئے ان کی عربی کلاس میں اس وقت دس کے قریب طالب علم تھے اور وہ ان کو جاخط کے اشعار کے ساتھ ساتھ اردو فارسی اشعار بھی ان کے لکھر میں شامل ہوتے گئے آخوندیں تو جہہ دلانی پڑھی کر یہ سیلوان یونیورسٹی ہے۔

ڈاکٹر اختر امام عجیب شخصیت ہیں یہ مشہور نقاد نواب امداد امام اثر کے پوتے ہیں جن کی تصنیف کا شف الحلق مشہور ہے تعلیم ان کی علی گڑھ میں ہوئی اور بعد ازاں جمنی سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کی دوسرا جنگ عظیم کے زمانے میں یہ کولمبیا میں عربی اور اسلامیات وغیرہ پڑھاتے تھے پاکستان بننے کے بعد فارن سروس میں آئے اور مختلف ملکوں میں سفارتی خدمات بجالائے غالباً انڈو نیشیا میں تھے کہ استن دے کر دو ماہ سیلوان چلے گئے اور از راہ جو ہر شناسی ایک سیلوانی مسلمان خاتون سے جو وہاں کے ایک معزز جو ہری خاندان سے تعلق رکھتی ہیں شادی کر کے وہاں آباد ہو گئے اب وہ شہریت کے اعتبار سے سیلوانی ہیں لیکن معاشرت کے اعتبار سے پاکستانی ان کی بیگم بھی اردو بولتی ہیں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کر کے یہم سبق تھے اور اب یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو ہمراز کہہ کر پکارتے ہیں پچھلے دونوں کراچی آئے تواری محفلوں اور اسلامی جلسوں کی رونق بنے رہے ایک روز گھر پر ملنے تشریف لائے ہمیں باہر تک آنے میں دیر ہوئی تو یہ سامنے قوالی کے جلسے میں چلے گئے اور پھر صبح تک بیٹھے سرد ہنٹے رہے۔

ہمارے ہوٹل کے پاس کی گلی میں ایک پر فضاظاتی مکان میں ان کا قیام تھا دوپھر کا کھانا ہم نے ان کے ہاں کھایا اور وہ پاکستانی کھانا تھا سارے کینڈی میں لوگ چاول کھاتے ہیں ڈاکٹر اختر امام کے گھر سے چپاتیاں پکنے کی آواز آتی ہے

پیری ڈینیا کے باغ میں پان کی دکان اور باورچی خانے کا پورا سامان تھا ہم نے لوگ درختوں میں لگے ہوئے پہلی بار دیکھے درخت پر پک گر بھی ان کی رنگت سبز ہی ہوتی ہے رکھ رکھے کالے پڑ جاتے ہیں ا لا پچی کے پودے بھی تھے دارچینی کے درخت بھی اور کالی مرچوں کے پیڑ بھی بارہ مسالوں کا باغ تھا اور خوشبو سے مہکا ہوا تھا ہم باغ اسی کا ایک حصہ تھا جس میں بیگم نیسم اور نگ زیب کا لگایا ہوا پودا الہہارہ باتھا ہم باغ دراغ کی سیر سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا اب مزید سبزے کی ہماری آنکھوں میں گنجائش نہیں فی الفور بدھ کے دانت کا مندر دکھاؤ گاڑی چھوٹی جا رہی ہے سوم داس نے کہا اچھا شام کو۔

شام کو سوم داس آئے اور پر سے نیچے تک بھکشو بنے ہوئے تھے اور ہاتھ میں چڑھاوے کے لئے پھولوں کی ٹوکری لئے ہوئے تھے ایک ایک ٹوکری انہوں نے ہمارے ہاتھ میں بھی تھامی اور کھا سلیسپرین لو وہاں ا تار نے پڑیں گے روایت ہے کہ بدھ کا یہ دانت اصلی نہیں بناسپتی ہے اصلی دانت تو پر تکیز گو گوا لے گئے تھے اور سو ہو یہ صدی کے وسط میں انہوں نے ضائع کر دیا لیکن بودھوں کا کہنا ہے کہ نہیں اصلی دانت چھپالیا گیا تھا وروہی اب کینڈی کے مندر ہیں بہر حال یہ مندر اس دانت کی وجہ سے سیلوان کی مقدس ترین زیارت گاہ بن گیا ہے اور ہر سال اگست میں پودے چاند کی رات کو میلے اور جشن کے ساتھ اس کا جلوس نکلت ہے اس جلوس کی دھنچ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے سیلوان سے لاکھوں ہزاروں یا تری کینڈی می ہجوم کر آتے ہیں پہلے تو ہاتھیوں کی پر پیڈ ہوئی ہے جن پر موتویوں اور جواہر سے لیس رنگ برلنگ جھول پڑے ہوتے ہیں ان میں سب سے شاندار ہاتھی کو سب سے شاندار مرصع جھول سے آ راستہ کر کے اس پر بدھ کے دانت کا صندوقچہ رکھا جاتا ہے لوگوں کے ا

ودے اودے نیلے پیر ہن اس رونق کو چار چاند لگاتے ہیں ان ہاتھیوں کے آگے گیروئے لباسوں میں ملبوس بھکشوؤں اور رنگارنگ ملبوسات میں اوپھی بنے امیروں اور سرداروں کے غول ہوتے ہیں سر پر جو گوشیہ ٹوپیاں اور رنگارنگ جھملاتی ریشمی باسکٹیں بعضے تو سنائے ڈیڑھ ڈیڑھ سو گز کاریشمی تھان لپیٹ کر جلتے ہیں کچھ کاندھے پر ڈالا اور باقی کمر کے گرد لپیٹ لیا ان سے آگے ڈھول تاشے اور نفیروں والے جن کی آواز سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے اور سب سے آگے چاؤش اور باش پکارتے ہیں اور کوڑے لیراتے ہیں ان کوڑوں سے وہ نادیدہ را کششوں کو بھگاتے ہیں باجے والوں کے لباس سفید اور بیشمار منکوں کی مالائیں زیب گلو ہوتی ہیں اور ان میں سے کچھ ناپتہ بھی جاتے ہیں دانت کا صندوقچہ چاندی کا ہے اور بھاری بھر کم بھی اور اس کو کھولنے تا ایک اور منقش جواہر آلو د صندوقچہ نکلے گا اس میں سے ایک اور منقش تربوں ایک کے بعد ایک سات صندوقچے ہیں اور آخر میں وہ دانت سے جس کے لئے اس جمل اور شکوہ کا بندوبست کیا جاتا ہے اور جس کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ بدھ کا ہے ہی نہیں۔

لیکن یہ تو جلوس کی بات ہوئی جو فقط ساون کی پورے چاند کی رات کو نکلتا ہے ہم وہاں جنوری میں تھے اور ہم نے یہ دانت مندر میں دیکھا اور مندر کا ماجرہ جو چشم دید ہے اس سے الگ ہے۔

دانت کے درشن

جس طرح دہلی لال قلعہ کی وجہ سے آگرہ تاج محل کے نام پر لا ہور شala مار باغ کی نسبتے خوجہ شاہجم کے اچار اور قصور اپنی میتھی کی خوبی سے مشہور ہے اسی طرح کینڈی کی شہرت کا رشتہ مہاتما بدھ کے دانت کے مندر سے بندھا ہے۔

پاٹھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اوپر مہاتما کا پیدانت کھانے کا بھی ہے اور دکھانے کا بھی آیا یہ گوتم بدھ کے کھانے کے کام آثار ہا ہے یا کسی اور کے یہ امر تحقیق نہیں لیکن اس سے ہمیں غرض بھی نہیں۔

تو صاحبو؛ سوم داس جی ہمیں بدھ دیو کے مندر میں لے گئے اس شان سے کہ وہ گیر داجامہ زیب تن کئے کھڑاوں سے کھٹ پٹ کرتے جا رہے تھے اور یہ بندہ اور ڈاکٹر اختر حسین نعلین در بغلین خضر کی صورت بزرگ صرف مسجد میں نہیں مندر میں بھی ہوتے ہیں اس لئے جو توں سے ہوشیار رہنا بھی عبادت کا ایک جزو سمجھنا چاہئے ہم تو پھر ہم تھے وہاں کچھ فرنگی نژاد سیاح بھی اسی حلے میں تھے خیر ایک رکھوا لے مل گئے اور ہم یہ امانتیں ان کے سپرد کر کے سبکدوش ہو گئے۔

اس مندر کے دو دروازے ہیں ایک بغلی ایک سامنے کا، دونوں سڑک سے خاصے اونچے متعدد سیڑھیاں چڑھ کر عمارت کی کرسی آتی ہے اندر ڈیوڑھیاں ہی ڈیوڑھیاں اور ستون ہی ستون ہیں ایک طرف قد آدم سے بھی بڑے بڑے شیشوں میں بودھ دیو مجسمے مختلف شکلوں میں اور مختلف سائزوں میں ٹکے ہوتے ہیں اور کپل دستور کے راجملار کے جمال جہاں آرا کے مختلف بہلوؤں کو پیش کرتے ہیں اور ہر ستون کے ساتھ ڈھول پینٹے والوں کے نیم برہینہ غول پر چوپ لگائے جا رہے ہیں ادھر پی طرف نفیریوں والے ہیں شوراں بلا کا ہوتا ہے کہ کونوں کے پردے کانوں کے پردے پھٹ جائیں ڈھول والے کے چوپ کی ہر ضرب سیدھی آپ کے دماغ پر پڑتی ہے اور اگر آپ چاہیں کہ اس اجائے میں زبان نطق سے کوئی بات کر لیں تو یہ خیال خام ہے تھی کو کچھ کہنا سننا ہے تو اشاروں سے کلام کرے یہ ڈھوکتے بھی خاندانی ہیں یعنی ان کے بپ دادا نگڑوا اتنا ہے ہفتاد پشت کی زندگی اسی مندر میں ہر شام بلا نغمہ ڈھول پینٹے چکری گزرا ہے ان کو ثواب کے علاوہ یافت ہوتی ہے غالباً جا گیر بندھی ہے۔

یہ شور بے محابا ہر شام چار بجے شروع ہو جاتا ہے اور سات آٹھ بجے تک رہنا ہے ڈیوڑھیوں سے کئی غلام گردشیں ادھر ادھر کو جاتی ہیں لیکن دمداں مقصود جن سہنری اور روپیلی صندوقوں میں بندے وہ وسطی حصے میں ایک شہنشہ نشین پر ہے اور اس کے لئے سات دروازوں میں سے گزرتا ہوتا ہے ایک دروازے تو بخشش کی غرض سے ملکی اور فرنگی سیوں کو بھی دکھائے جائیے ہیں اس سے آگے کسی غیر بودھ کا بلکہ ہر ایرے غیرے بودھ کا جانا محال ہے ہمیں سوم داس کی عنایت سے ساتوں دروازے اور وہ صندوقی دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن دانت ہم نے بھی نہیں دیکھا فقط فرض کر لیا ان صندوقوں کو ہر روز غسل دیا جاتا ہے اور ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں پر یہاں کے تھوار کا ذکر ہم کرچکے ہیں جو ساون کی پوری نمائشی کو ہوتا ہے اور جس میں پاٹھیوں پر اس دانت کے صندوقی کا جلوس نکلتا ہے کوئی ہوئی کے سامنے جو چھیل ہے اسکے اطراف میں اوچی اوچی پہاڑیاں ہیں ان میں سے ایک پہاڑی پر ایک مندر بھی نظر آتا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پر پر یہاں کی رات کو ایک کنواری کی قربانی دی چاہی تھی پر دہت کنواری کو نامزد پہلے سے کر لیتے تھے اور اس کی سال بھر دہن کی طرح پروردش اور نگہداری ہوتی تھی قربانیکی رات پہاڑی پر جا بجا الaslگائے جاتے تھے اور پھر یہ قربانی کی رسم اور کی جاتی تھی لنکا میں کینڈی کے اسجان باز دو لہا کی داستان مشہور ہے اور عوامی گیتوں کا موضوع ہے جو جان پر چھیل کر اپنی مغیثت کو عین قربانی کے چبورتے سے بچالا یا تھا یہ قربانی غالباً اس صدی کے آغاز تک ہوتی رہی اس کے بعد موقف ہوئی۔

بدھ کے دانت کا مندر دیکھنے کے بعد سیاح کے لئے کینڈی میں مزید قیام کا اخلاقی جواز باقی نہیں رہ جاتا سیاح اگر آگرے جاتا ہے تو یہ دیکھنے کے لئے کہ تاج محل اپنی جگہ پر قائم ہے اور لا ہور جاتا ہے تو یہ اطمینان کرنے کے لئے کہ وہاں شاہی مسجد نام کی واقعی ایک عمارت اور شالamar نام کا ایک صحیح کا باغ ہے تاکہ وہ وطن واپس جا کر لوگوں کو یہ بتا کر رشک سے جلا سکے کہ میں نے یہ چیزیں اپنی انکھوں دیکھی ہے یہ فقط انسان کی فطرت ہے ورنہ کوہ چھپائی کرنے والوں سے کوئی پوچھئے کہ پہاڑ پر سوائے برف اور پھروں کے کیا رکھا ہے اور لوگ سٹون نے افریقہ کے جنگلوں میں دور دھوپ کی تو اسے کیا ملا پھر سنتے ہیں کہ فلاں جوڑا صحرائے اعظم کی تفتیش کو نکلا اور پھر اس کا سراغ نہ ملا چار پائی پر لیٹئے اور لیٹئے رہنے میں جو آسودگی ہے اسے یہ نادان کیا جائیں۔

تو قصہ یہ کہ بینڈی ایسا پر مقام ہے کہ جی چاہتا ہے عمر میں بسر کجھے بودھ دانت کے مندر سے قطع نظر ہر طرف سکون ہے لیکن اے غم دوراں یہاں فرصت کے چل سوچل،

کوئی نزد ہوٹل کے برآمدے میں بھی ایک ٹریول سروس والا بیٹھا تھا اس سے نوریلیا آنے جانے کا بھاؤ پوچھا تو معلوم ہوا پچپن روپے لگیں گے سوچا کسی اور سے معاملہ کرنا چاہئے بسوں کے اڈے پر کئی ٹیکسیوں ایک شخص عجب حروف کا بننا ہوا بیٹھا تھا اور دیدے گھما گھما کرباتیں کرتا تھا اس کا نام پریرا تھا اور اس نے کہا آپ کو کسی ایسی سیر کراؤں گا کہ عمر بھر یاد رہے اب یہ خیال نہیں کہ اس نے کہا مانگا تھا لیکن چالیس روپے میں معاملہ طے ہو گیا یعنی یہ کہ نوریلیا جانا وہاں دوپھر بھر تو وقف کرنا اور شام کو ٹیکسی میں واپس ریلوے اور اسٹیشن پہنچانا نوریلیا سے ریل بھی آتی ہے جو پیری ڈینیا سے کولمبی کی طرف ایک اسٹیشن پر آ کر ملتی ہے یعنی کینڈی واپس آنے ضرورت نہیں ہوٹل آ کر مبنجا سے ہم نے کہا کہ ٹریول سروس والا تو لوٹا ہے ہمیں ایک ایسا مستعد ڈرائیور مل گیا ہے جو چالیس روپے میں آنا جانا مان گیا ہے مبنجا نے کہا اس مستعد ڈرائیور کا نام پریرا تو نہیں ہم نے کہا بے شک اس نے کہا وہ شخص دوبار جیل ہوا یا ہے ہم نے کہا وہ تو کہہ رہا تھا کہ ایسی سیر کراؤں گا کہ عمر بھر یاد رہے مبنجا صاحب بولے صحیح ہی تو کہہ رہا ہے اس غریب الوطنی میں پندرہ سے زیادہ اپنی قیمتی نظر آتی لہذا ہم نے پچپن روپے پر ٹریول سروس ہی سے معاملہ کر لیا اس دوران میں ہمیں یاد آ گیا تھا کہ ریول سروس والا مسلمان بھائی ہے اسے چھوڑ کر پریرا کافر سے معاملت کرنا حمیت دینی کے خلاف ہو گا ٹریول سروس والے نے یہ بھی ذمہ لیا کہ پریرا کو مطلع کر دے گا کہ صحیح دم آنے کی زحمت نہ کرے۔

صحیح بھی ہم جاگے ہی تھے کہ بیرے نے اطلاع دی ایک شخص سیٹھیوں پر کھڑا آپ کو پاد کر رہا ہے ہم نے کہا سے کہو کہ یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہم نے ٹھیں اور معاملہ کر لیا ہے لیکن وہ آسانی سے ٹلنے والی سامی نہ تھا اور اپنی اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں وعدہ خلافی کے اخلاقی اور اقتصادی پہلوؤں پر زور دے رہا تھا قیاس کرتا ہے ٹریول سروس نے اسے بروقت منع کرنا ضروری سمجھا آخو ہم نے پانچ روپے تاوان کے طور پر بھجوائے اس کے باوجود جب ہم ہوٹل کی ڈیوڈھی میں پہنچے وہ چاہک لئے اپنی زبان کو قیچی کی طرح چلائے جا رہا تھا وہ اپنے بازو تھدیدی انداز میں اس وقت تک لہراتا رہا جب تک ہماری ٹیکسی حد نظر نہ نکل گئی۔

نوریلیا اور کولمبی کے راستے میں وہ مقام نظر آتا ہے جہاں مشہور فلم bridge on ahe

river kwai کے لئے پل بنایا گیا تھا جن لوگوں نے یہ فلم دیکھی ہے وہ یہ مقام دیکھنے بھی آتے ہیں اس کے علاوہ بھی کئی مشہور فلمیں جن میں منطقہ حارہ کے سین میں سیلوں ہی میں فلمائی گئیں مثلاً اسٹرزرز planters out cast of purpel plai elephant walk wife ایلی فٹ واک elephant walk پر پل پلین ٹچ کوبر wife

co mberthe asland beach ہاتھیوں مہاوتوں اور مزدروں کی ارزانی افسوس کہ سیلوں کی اپنی فلمیں وہی ستے داموں کا ملغوبہ ہوتی ہے جس سبزہ گل کے پیچے باہر کے لوگ کے لئے گھر کی مرغی ہوتا ہے اب کس کس سے جا کے کہیں کہ اے غافل افغان اپنی خودی پہچان۔

www.HallaGulla.com

Virtual Home
for Real People

جنت میں کمشدگی

ہمارے ڈرائیور کا نام سعید تھا اور اس کا کام ہی سیاحوں کو نوریلیا کی سیر کرانا تھا مرد معقول تھا اگریزی اچھی بولتا تھا اور اس طبقے میں جو متعلق اور لائق ہوتا ہے اس سے بری معلوم ہوتا تھا ایک وجہ اس کی طبیعت کے پسندیدہ ہونے کی یہ تھی کہ مسلمان تھا اور پاکستان سے ایک ارادت رکھتا ہے اس کی ٹیکسی میں ہم صبح دم آٹھ بجے یا کچھ پہلے روانہ ہوئے تھے اور نوریلیا کوئی تین گھنٹے کا راستہ ہو گا ممکن ہے کچھ زیادہ راستے کی جاذبত کا تو کیا کہنا جی کو راستہ بھری ہی تحریر ہا کہ سبزہ گل کھا سے آئے ہیں اب کیا چیز ہے ہوا کیا اونچے اونچے پہاڑیوں کے سلسلے ہی سلسلے چلے گئے تھے جن کی ڈھوان پر چائے کے باغات تھے بعض جگہ چائے چنے والیوں کے غول بھی نظر آئے اور ایک پہاڑ پر کسی پلانٹر کا ورنر lebukelly ہم تو اسے بھی کسی انگریز یا پرتگیز کا نام سمجھتے تھے لیکن سعید نے بتایا کہ مسلمان ہے اب رہانام تو علی تو اس میں صاف ہے جب جہاں کے لوگ صادق کو لکھ سکتے ہیں تو علی کو ایسی بھی بنایا جا سکتا ہے لیکن لوق کیا ہے یہ معما حل نہ ہو سکا۔

راستے میں کہیں کہیں بستیاں تھیں اور آخر میں نوریلیا کی بست تھی چھوٹا سا بازار زیادہ تر کپھریلوں کے مکانات، کچھ دکانیں چائے کی اور کچھ اشیائے ضرورت کی یہاں ہم نے بھی چائے پی اور سعید نے بھی اور اب نوریلیا کے جنگلات یا باغات کی ڈھلانوں کا آغاز ہو گیا ڈھلانوں پر خوبصورت روپیش نبی تھیں جن کے دونوں طرف پھولوں کے تختے تھے پیچ در پیچ چڑھائیاں چڑھتے ہوئے جس میں ہر پیچ پر فضا اور خشک ہو جاتی تھی ایک نسبتاً مسطع حصے پر آ کر سیر کیجئے لیکن دیکھنے راستہ نہ بھول جائیں گا ایک بجے میں آپ کو یہیں ملوں گا پھر گرینڈ ہوٹل چل کر پیچ کر لیجئے گا۔

اس باغ خابی میں ٹیڑھی میڑھی روشنیں اور راستے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ہم نے ایک سر رشته پکڑا اور چل دیئے جو تختے پھولوں کا سب سے زیاد ہوا ویز نظر آتا ادھر کو ہو لیتے جگہ جگہ جھرنے آتے تھے جن پر چھوٹی چھوٹی کپیاں نبی ہوئی تھیں بیلوں نے پھیل کر اس راستے میں جا بجا محبت کرنے والے جوڑوں کے لئے جعفریاں باغبانوں نے تراش کا کمال دکھایا تھا کوئی کونا خود رو جنگل کی طرح بے ترتیب نہ تھا یہاں ہم نے اتنی قسم کے پودے اور اتنے رنگوں اور صورتوں کے پھول دیکھے کہ عمر بھرنہ دیکھے ہوں گے اور ہوا میں وہ شراب کی تاثیر تھی کہ جی چاہا یہیں ڈیرے ڈال دیجئے اور غم دوراں سے استثنی بھیج دیجئے ڈاکٹر اختر حسین نے کہا اس کو آب و ہوا تے جنت لیتے ہیں ہم نے کہا کہ اگر جنت میں ایسی آب و ہوا ہے تو ہمیں وہاں جانا منظور ہے کہ اگر کینڈی نے کولبو کو بھلا دیا تھا نوریلیا کو دیکھ کر کینڈی جی سے اتر گیا۔

آخر وہی ہوا ان روشنیوں میں کھو کر ہم اتنی دور نکل گئے کہ واپسی کا راستہ یاد نہ رہا ڈاکٹر اخڑھ حسین کہتے تھے ہم ادھر سے آئے تھے ہمارا خیال دوسرا طرف کا تھا اور تو اور یورپ پہنچ گھر کا بھی چلانا محال تھا سر پر سورج نہیں ابر تھا ایک بار برس بھی چکا تھا ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب اب کیا ہوا اس بھول بھداں میں میلوں تک آدم نہ آدم زاد ہمارا سراغ ملا بھی تو ہفتون بعد ملے گا جب کوئی ادھر سے گزرے گابو لے ابھی تھوڑی درپیلے تم نے جنت میں جانے پر آمادہ گی ظاہر کی تھی معلوم ہوتا ہے تمہاری سنی گئی لیکن میں نے ایسی کوئی خواہش نہ پکی تھی اسے کہتے ہیں گیہوں کے ساتھ گھن کا پسنا تھوڑی دری میں سبزہ و گل کی خوبصورتی بھی دھندا لانے لگی اس لئے حواس خمسہ پر راستے کی فکر کے ساتھ ساتھ بھوک کا غلبہ ہونے لگا تھا۔

نوریلیا کے بعاثت کی بھول بھلوں میں یورپ پچھم کسی طرف کی ڈور کا درانہ ملا تو ہم نے کہا ڈاکٹر صاحب اب تو ہماری باز زیانی کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ کلمبو کے اخباروں میں تلاش گم شدہ کاشتہار دیا جائے کہ اس اس حلیے کے وہ پاکستانی اس دشت ناپیدا کنار میں کھو گئے بولے بوت ٹھیک ہے لیکن یہ اشتہار دینے کے لئے ہم میں سے جائے کون اور کیسے ہم نے کہا یہ بات تو ہم نے بھی نہ سوچی تھی ناچار دن تقدیر پھر انکل اور عقل حیوانی سے کام لیتے ہوئے راستہ تلاش کرنا شروع کی اور پھر یہ ہوا کہ ہم ایک مانوس نشاش پر نکل آئے اور سعید سے کہا میاں جھٹ پٹ گرینڈ ہوٹل لے چل تاکہ کام یوروں کا بقدر لب و دندان نکلے۔

یہ ہوٹل والے واقعی گرینڈ یعنی عظیم الشان سے اور حکومت انگلیشہ کی سطوت رفتہ کی یاد دلاتا ہے جس طرح پیری ڈینیا یونیورسٹی درسگاہ سے زیادہ مری یا نتحا گلی کا قصبه معلوم ہوتی ہے اسی طرح گرینڈ ہوٹل بھی کسی انگریز نیمس کے دیہاتی محل کی دنیا نوریلیا کی سطح مرتفع پر پھیلا ہوا ہے یہاں ایک بلڈنگ ہے جس میں ریسپشن ہے اس سے کچھ دور دوسری جس میں طعام گاہ ہے تیسری میں استراحت فرمائیں بیٹھنے کا الاؤچ بھی بہت لمبا چوڑا ایوان جس کے آرام دہ صوفوں میں تابہ کمر ہنس جائیں بہت کم لوگ ہوتے تھیں اسی حوالے سیاھوں کی یورش اپریل میں ہوتی ہے ایک حصے میں ریکارڈ پیر لگا ہوا تھا اور وہی سے لق ورق ڈائنگ ہال کو راستہ جاتا تھا ہم وہاں بیٹھتے تو تو اس بھری دنیا میں تنہا نظر آتے لہذا باہر کے برآمدے میں ایک گوشہ دریافت کیا اور وہیں نشست کی۔

بچپن میں ہمارے گوؤں میں ایک عامل ہمیں حضرات سلیمان کا دیدار کرایا کرتے تھے دیکھنے کے لئے چودہ سال سے کم عمر کی شرط تھی ناخن پر تیل لگا کر آئینہ کی طرح اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کرنے کی ہدایت کی جاتی اور پھر عامل صاحب منظر نامہ بولتے جاتے اور ہمیں فقط اثبات میں جواب دینا ہوتا تھا ان کی رنگ کو منظری کچھ اس طرح ہوتی اب حضرت سلیمان کا جمداد آکر جھاڑ لوگا رہا ہو گا ہم کہتے نظر نہیں آتا غور سے دیکھو گرد اڑ رہی ہو گی ہم کہتے جی ہاں اڑ رہی ہے اس کے بعد مددوح کاسقہ آکر جھٹکا و کرتا وہ بھی جمداد کی اڑائی ہوئی گرد میں ہمیں نظر آتا لیکن ہاں کئے ہی بنتے یوں بھی چونکہ معمولی کے لئے معصوم ہونے کی شرط تھی لہذا انہی میں جواب دینا ہمارے حق میں نہ پڑتا آخو میں تخت بچانے والے آتے کم از کم آنے چاہئیں تھے اور بعد ازاں حضرت سلیمان مع اپنے جنوں کے بصد کرو تشریف لاتے چ تو یہ ہے کہ انہوں نے بھی ہمیں اپنے دیدار کے لائق نہ سمجھا تا ہم اس وقت اس کی تصدیق کرنی پڑتی اس سارے قصے کا سفر نامے سے کوئی تعلق نہیں یہاں فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ ہوٹل گرینڈ کے یہے اس ترتیب سے آئے ایک آیا چھری کا نئے رکھ گیا دوسرا پلٹیں سیدھی کر گیا دست پوش لانے والا بالکل ہی نیا آدمی تھا اور کھانے کے کورس بھی یکے بعد دیگر تین مختلف آدمی لائے ظاہر ہے سویٹ ڈش اور چائے لانے والے بھی نئے نئے کورسیے تھے ان صاحبو سے یکجا ملاقات کا شرف بل اور بخششیش کے وقت حاصل ہوا جس طرح ڈرامے کے خاتمے پر سمجھیا دا کارمل کر سلامی لیتے ہیں یاد دیتے ہیں وہی منظر یہاں تھا کلمبو کے اسٹیشن کا احوال ہم لکھ چکے کہ ہر چند ہمارے پاس دربریف کیسوں اور صبح کے اخباروں کے علاوہ کچھ نہ تھا تا ہم تین قلی ہماری خدمت پر مستعد تھے اس موقع پر ہمیں کپلینگ کا مقولہ کہ مشرق و مغرب بھی نہیں مل سکتے پھر یاد آیا یہاں کا یہ عالم کہ کسی کام کے لئے ایک ڈھونڈ وہزار ملتے ہیں وہاں آپ کو یہ منظر نظر آئے گا کہ ایک آدمی جھاڑ و دے رہا پھر وہی ان پر باندھے کھانا پکاتے اور برتن دھوتے نظر آئے گئے پھر کھانا کھانے کا نفس لباس پہنے جو شخص آپ کو میز پر بیٹھا چھری کا نئے لہراتا نظر آئے آپ غور سے دیکھیں گے تو وہی

کھانے کے بعد انصاف سے سونا چاہئے تھا لیکن منزل کی فکر سر پر سوار تھی سعید میاں کار کو تھاپی دی اور دی ایک دوبار ہنسنا کر چل دی دن کے تین بجے ہوں گے لیکن وہی غباریں وہی ابر چھایا ہوا تھا رستے میں ایک جگہ توقف کیا یہاں ایک طرف کو ایک باولی سی تھی اور بہت سی عورتیں اس بھیس میں جو راجپوتانے کی عورتوں کا ہوتا ہے سڑک سے اتر کر ادھر جا رہی تھیں اور نمسکار کر رہی تھی کچھ دیہاتی بھی چھکڑے لئے پاس ہے بر اجمان تھے سعید نے کھا یہاں کی روایت کے مطابق سیتا جینے جبکہ راون صاحب ان کواغوا کر کے لائے یہاں اشنان کرنا مشہور ہے ڈاکٹر صاحب نے کھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے ہم نے عرض کیا کہ اس میں تعجب کی جانہیں آخو راجہ رنجیت سنگھ کی بھی تو کئی کئی کھور پیاں قدیم نواز فروشوں کے ہاں مل جاتی ہیں کوئی بڑھاپے کی کوئی جوان کی کوئی پچپن کی اسکے علاوہ سیتا جی صرف ایک بار ایک ہی جگہ نہانے کی پابندی تھوڑا ہی تھی۔

رادن کا وجود تاریخی کم ہے اور رواتی زیادہ لئکا والوں نے بھی اسپر ریسرچ کی سے اور ان کا رویہ یقیناً راون کے متعلق ہمدرانہ ہے وہ اس کو دس سروں والا خوفناک راکشش پارامائن کے قصہ کا دلن ٹھیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ وہاں اس نام کا ایک راجہ تھا جس نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا باقی باتیں زیب داستان کے لئے بڑھادی گئیں

نانو نہ ایک چھوٹا سا جنکشن تھا جہاں سے کولمبو کی گاڑی ہمیں ملی سعید کو ہم نے اس کی مزداور انعم دے کر خصت کیا اور گاڑی میں فروش ہو گئے یہ بھی پاکستان کے ایک دیہاتی اسٹیشن کا نقشہ پیش کرتا تھا ایک ہی بابو جانے والے مسا فروں کو ٹکٹ دینے کے بعد گیٹ پر کھڑا ہوتا اور آنے والوں کے ٹکٹ وصول کرتا بکے ہم نے ٹکٹ فسٹ کلاس کا نہیں سینٹر کلاس کا لیا یعنی میں روپے کے مقابلے میں صرف ساڑھے بارہ روپے خونج کئے لیکن یہ اس فسٹ کلاس سے کہیں بہتر تھا جس میں ہم نے جاتی ہار سفر کیا تھا بکے ہم نے ایک دو باتیں اور مشاہدہ کیں وہ یہ گاڑی کے دروازوں کے پٹ اندر کی طرف نہیں باہر کی جانب محلتے ہیں اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی مسافر باہر گرنا چاۓ تا سے وقت نہ ہو دوسرے کئی کمپائٹ ایسے تھے جن پر لکھا تھا *for allergies only* یعنی درجہ صرف پر دھنوں، پادروں یا ملاوؤں کے لئے اتفاق سے ہم جس درجے میں بیٹھے اس پر بھی یہی بورڈ لگا تھا اور جب ایک بھکشو صاحب گیر وابانا پہنے اس میں داخل ہوئے تو ہم نے سوچا آب آمد تمیم برخاست پھر سوچا ہم بھی تو خود کو پاکستانی مولوی کہہ سکتے ہیں لیکن ان بھلے مانس نے کہا آپ شوق سے بیٹھے بیٹھک بعض مصالح سے گاڑی کے ڈبوں میں اس طرح کی تخصیص کی گئی تھی لیکن یہ پرانی بات ہے اور اب اس کی کوئی پروا نہیں کرتا یہ بکشو بھی بڑی عمدہ انگریزی بولتے تھے اور روشن خیال تھے۔

تھوڑی دیر میں اندر ہی راجھا نے لگا اور دن بھر کی مانگی بھی تھی اس لئے ہم سبھی صاحبوں سے معزرت کر کے ٹانگیں پسار کے سا گئے اور چھپلی لے لی لیکن ان دلکش منظروں نے پھر دامن کو کھینچا اور ہم تھوڑی دیر میں اٹھ کے بیٹھ گئے آج اس دھواں دھار اسٹیشن کے ان جن کی بجائے ڈیزل کا اچھا خاصاً بجن تھا لیکن چھٹے گاڑی میں بیٹھنا بھر بھی عذاب ہے ان گاڑیوں میں بلا مقصد زنجیر کھینچنے کی سزا میں روپے جرمانہ لکھی ہے یعنی ہم جیسا غریب آدمی بھی بے ضرورت زنجیر کھینچ سکتا ہے افسوس کہ پاکستان میں طوع آزادی کے بعد بھی ہم پرانی لکیر کو پیٹتے جا رہے ہیں اور یہاں اگر تفریغ کا یہ ذریعہ اختیار کیا جائے تو پچاس روپے جرمانہ الگ اور باز پرس

www.HallaGulla.com



Virtual Home
for Real People

بارے ہائی کے کچھ بیاں ہو جائے

کولبو میں پہلے جس چیز کی زیارت ہوئی ہوا تھی تھے اور اس کے بعد جتنے روز ہم سیلوان میں رہے ہاتھی کے یاؤں رہا ایک کپڑا پسند آیا اس پر بھی ہاتھی کی چھاپ تھی ہاتھی مار کر سکریٹ بھی جو ایک صاحب کے کہنے کے مطابق ہاتھی کی لید سے بتتا ہے جگہ جگہ نظر آیا فورٹ کے علاقے میں جہاں جہاں سے گزرے نوادر کی کی دکانوں میں جو فقط سیاحوں کی جبیں کانٹے کا شاستہ بہایہ ہیں ہاتھی، پیلے ہاتھی ہاتھی ہی نظر آئے چھپری ہاتھی، سنگارداں پر ہاتھی، کالے ہاتھی، خاکستری ہاتھی، رنگ برلنے ہاتھی، ایش ٹرے پر ہاتھی، معلوم ہوا کہ سفید ہاتھی بھی بہت ہیں لیکن دفتروں میں کام کرتے ہیں آسمُن بج ورد دھننا نے ارزہ محبت ایک سکریٹ کیس خوید کر دیا اسے بدل نہیں سکتے ہو لے ہم نے تو خاص طور پر یہ اس لئے چنا تھا کہ اس پر ہمارے قومی جانور کی تصویر ہے ہمارے شہر میں اونٹ ناحق بدنام ہے چوپا یہ پرستی دیکھنی ہو تو لنگا والوں کی دیکھتے۔

ہاتھی ہمارے ہاں عام نہیں پایا جاتا سفید ہاتھی سے قطع نظر اس کا زیادہ تر وجود تاریخ شاعری اور محاوروں میں ملتا ہے یا کہیں کہیں چڑیا گھر میں تاریخ میں پورس کے ہاتھی مشہور ہیں یا پھر محمد شاہ کا ہاتھی جس پر نادر شاہ نے چڑھنے سے انکار کر دیا تھا کہ جس جانور کی باگ اپنے ہاتھ میں نہ ہواں پر سواری غلط ہے شاعری میں استاد ذوق نے ابرسیاہ کو تشییہ دیکہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر معلوم ہوتا ہے پورس کی طرح ہمارے مسلمان رو سا کے زوال میں بھی کچھ دخل ہاتھیوں کا رہا ہے ہے کیونکہ سودا اپنے آشوب میں لکھتے ہیں۔

کہیں جو زعم میں آقا کے فیل خانا ہے
جو ہتھنی اندھی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھوڑ چارے کا، راتب کانے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
ا ب اسکو خواہ وہ پائل سمجھ لیں خواہ منجھوں

ہاتھیوں کے علاوہ اہل لنکا کا دوسرا قومی نشان ماسک سمجھتے یونی چہرے کے ناب گھروں، دفتروں، دوکانوں، عجائب گھروں میں جا بجا دیواروں پر نقاب لٹکنے نظر آئیں گے اور ایک سے ایک خوفناک ویسے تو یہ عوامی آرٹ کا جزو ہیں دیہات میں ناٹک وغیرہ کرنے کے لئے تمثیلی چہرے جانوروں، راکشوں وغیرہ کے بنائے جاتے تھے لیکن اس موجودہ زمانے میں بھی جبکہ بچوں کو ڈرانے کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں لنکا میں ماسکوں ہی سے کام لیا جاتا ہے سنا ہے یورپ وغیرہ سے لوگ ان کے فن کے ان نادر نمونوں کی تعریف کرنے آتے ہیں البتہ جن لوگوں کو آرٹ کی باریکیوں سے بہرہ نہیں جیسے ہم وہ ہموری طرح لنکا سے واپس آنے کے بعد مہینوں آدمی رات کو چونک چونک کراٹھتے ہیں حتیٰ کہ گھروں والوں کو ہم سے جبڑی طور پر منوانی ہوتی ہے تو ہمیشہ بھی کہتے ہیں یہیں لنکا۔

لنکا کے باون کا شہر یہی بہت سنا تھا آج کل تاریخ کو بھی عقل کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے چنانچہ روایت میں اگر یہ ہے کہ حضرت نوح کی عمر نو سو سال تھی تو آج کا محقق یہ ثابت کرتا ہے کہ اس زمانے میں سال تیرہ چودہ دن کا ہوتا تھا تا کہ حساب میں آ کر ان کی عمر ہمارے برابر ہو جائے اور روایت پر کوئی حرف نہ آئے سو ہماری بھی یہی توجہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں سیلوان میں ایک یا ڈیڑھ انج کا گز ہوتا تھا۔

سچ یہ ہے کہ باون گز بھی غلط اور باون انج بھی غلط لنکا والوں کا قدر کا ٹھہ اور سراپا ہم سے مختلف

نہیں ہوتا اور بعضے تو خاصے کشیدہ قامت ہوتے ہیں اپنے دوست آسٹن بے وردھنا کا ہم ذکر کر آئے ہیں خاصے کشیدہ قامت نوجوان ہیں اور ہم عموماً ان کو امیر خسر و علیہ الرحمتہ کے اشعار کی تضمین سنایا کرتے تھے،

اے آسٹن بے وردھنا
اشتر صراحی گرونا
دا نم چہ خوا ہی کرونا
گردن درازی می کئی
پنبہ بخو اہی خوردنہ

کولبو جانا اور ریڈ یو سیلوں دیکھئے بغیر واپس آنا ایسے ہی تھا جیسے دہلی جا کر قطب مینار نہ یکھا جائے ہم نے دیکھایا آگرے کی سیر میں تاج محل کو چھوڑ دیا جائے نہیں چھوڑا پس ایک رز یہی ٹھری کہ اس عظیم ادارے کی زیارت کی جائے جس کا ہمارے گھروں میں راج ہے بوقت صحیح مردم کاروبار رند گھر کی عورتیں چولہا چوکا جھاڑ وغیرہ چھوڑ کر سیلوں کو خواج تحسین پیش کرنے کے لئے آجع ہوتی ہیں۔

دیکھا کہ ایک معمولی عمارت ہے چاروں طرف کمرے نقش میں احاطہ ایک پہلو میں اسٹڈیو ہیں ایک ٹرانسمیٹر ہے پچاس کلووات کا ڈائریکٹر ان دونوں ایک نوجوان تھے پنڈت نامی۔ ہمارے اشتیاق پر خوش ہوئے اور خود جا کر اسٹریو دکھائے ہم نے کہا ہمیں تو اس کا وہ سیشن دکھائے جس کے فردوں گوش مغمون کے ہم اسیر ہیں فرمایا وہ پروگرام تو زیادہ تر بمحی میں تیار ہوتے ہیں بس ریکارڈ ہو کر یہاں آتے ہیں اور ہمارا آدمی بجادیتا ہے بہت ماہی ہوئی انسچارج ایک سردار جی ڈھلوان نامی تھے۔ لیکن افسوس کہ وہ کولبو سے باہر گئے ہوئے تھے بلکہ یاد پڑتا ہے اپنے ملک یعنی پنجاب ایک صاحب البتہ ملے سری داستور صاحب بخارے ہندی کے آدمی تھے یوپی کے ٹکسی قبیلے کے ہوں گے بڑی کاوش سے عربی فارسی کے الفاظ یاد کر کے اپنی ہندی میں ملا کر خلوص کا ثبوت دے رہے تھے ریکارڈ بجائے والی خاتون مس ڈولی تھیں اعلان بھی انہی کی سامعہ نوازاً واز سے اکثر سنے جاتے ہیں ہم نے انہیں دیکھا اور دعا سلام کر کے جانا کہ محنت وصول ہوئی۔

عالم ہمہ افسانہ مادر در ماچ

ہمیں تو کراچی واپس آنا تھا ڈاکٹر اختر حسین کا پروگرام مدرس اور دہلی کا تھالہدا ہم سے دوروز پہلے وہ رخصت ہو گئے کولبو میں دو ہوائی اڈے ہیں ہمارا کراچی کا جہاز جس اڈے پر آتا ہے وہ بین الاقوامی ائیر پورٹ کھلاتا ہے اور غالباً ہفتے میں دو تین روز کھلتا ہے جبکہ کراچی یا نگون وغیرہ آنے جانے والے جہاز اترتے چڑھتے ہیں زیادہ ٹریفک ہندوستان کا رہتا ہے سواس کے لئے ایک مقامی اڈہ ہے ان کے جانے کے بعد ہم پر ادائی کا دورہ پڑنا شروع ہوا دو دن تجوں توں گزارے آخوازیک روز گال فیس سے بی او اے سی کی بس میں بیٹھ کر ہوائی ڈے اور وطن عزیز کی راہی۔

ائیئر پورٹ پر مسٹر مبین ہمارے منتظر تھے یہ وہاں کے ایک پبلیشر ہیں کہنے لگے ڈاکٹر اختر حسین

کو یہ پھول دار پودا بہت پسند آیا اور اسکی فرمائش تھی کہ انشا چونکہ سید ہے کراچی جا رہا ہے اس لئے اسکو اس کی کچھ جڑیں دے دینا اس میں عجیب عجیب پھول آتے ہیں جو پاکستان میں نہیں ہوتے یہ کہہ کر انہوں نے ٹاط میں لپٹی ہوئی کچھ ٹہنیاں حوالے کیں چند پات بہر تھے ہم نے کہا سنا ہے کراچی ائیر پورٹ پر محکمہ زراعت والے چیک کرتے ہیں کہ کوئی شخص باہر سے ٹوئی ایسا جرا شیم آلود پودا نہ لے آئے جو یہاں آ کر پھیل جائے اور فصلوں یا درختوں کی غارت گری کا باعث ہو بولے ایسے موقع پر اسے جرا شیم سے پاک کرنے کے لئے دھونی دی جاتی ہے اور بس ہم نے کہا بسرو چشم کراچی کے ہوائی اڈے پر سکشم والوں نے کہایہ پودے ہیں ہم نے کہا ہاں پودے ہیں بلکہ پودا ہے بولے زراعت والوں نے پوچھ لو، ہم نے کہا کہاں ہیں معلوم ہوا ان کا کوئی چپڑا سی یا ایسا ہی کوئی اہل کار ڈیوٹی پر ہے تو لیکن وہ چائے پینے یا چمنی کرانے گیا ہوا ہے تھوڑی دیر اس کا انتظام کرنے کے بعد ہم نے ٹیکسی لی اور راستہ ہی میں ڈاکٹر اختر کے ہاں وہ پوادا دے آئے۔

ڈاکٹر اختر حسین نے ہندوستان نے واپسی پر آ کر دیکھا تو بہت ہنسے بولے یہ آپ کیا اٹھالائے ہم نے کہا خیریت ہم تو بیسٹن کی امانت بڑی احتیاط سے لائے اور ائیر پورٹ سے بھی جہاں رکنے کا خطروہ تھا بڑی سہولت سے نکال لائے بولے میاں جیسے بیسٹن دیسے تم یہ تو شاخیں تھیں جڑیں اس میں تھیں ہی نہیں لگتیں کیا خاک دوسرے روز مر جھا گئیں ہم نے کہا الاعمال بالبیات یا آپ بیسٹن سے پوچھئے کہ اس نے کیا دیا سو یوں وہ لنکا کا عجیب و غریب پھولوں والا پودا پاکستان میں لگتے لگتے رہ گیا۔

ایران

دسمبر ۱۹۶۳ء

Virtual Home
for Real People

فادرکرمس کی روانگی

ہم نے وادی غربت میں قدم رکھا ہے بلکہ رکھنے کے لئے کراچی ائیر پورٹ پر پہنچے ہیں تو ۲۳ نومبر

کی تاریخ تھی اور صحیح چھ بجے کا ہنگام کپڑوں سے کچھ اس طرح لدے پھندے لقہ کبوتر بنے ہوئے تھے کہ اپنے پر کسی اور کاشبہ ہو رہا تھا خیال ہوتا تھا کہ لوگوں نے ہماری بجا یہید ہو کے میں کسی اور جگاد یا جمیل الدین عالیٰ نے کہ چلتا ٹارست آفس ہیں پہلے تو ہمیں وہ اونی نیپیان اوروزیر جامہ پہنوا یا جو وہ ماسکوا اور لینن گراڈ میں پہنٹتے ہے تھے اسپر ایک سوئیٹر پورے بازوؤں کا پھر ایک قمپ اور پھر اما بعد ایک وا سکٹ وہ روئی کاغذہ بھی پہناتے پر مصر تھے لیکن ہم نے اخلاقی جرات سے کام کے کرانکار کر دیا اس پر انہی کاسا بیگر یا میں پہنٹے کار پیچھ کی کھال کا اور کوٹ زیب تن کے ہم اچھے خاصے فادر کرسس تو بن ہی گئے تھے ایئر پورٹ پروہ پھر ہمارے منتظر تھے کہنے لگے یہ بد خشائص اصلی لو مر کی کھال کے دستانے ہمورے اجداد کی نشانی ہیں یہ تیھیں دینا بھول گیا تھا۔

پھر امام ضامن باندھتے ایک کنٹوپ بھی پہنادیا نتیجہ یہ ہوا کہ اندر روہداری والوں نے کئی بار پوچھا آپ پاکستانی ہیں آپ ہی کا نام ابن انشا ہے ایک صاحب نے توجہ تک کنٹوپ اتروا کر پاسپورٹ کی تصویر سے موازنہ کر لیا آگے نہ جائے دیا واقعہ بھی یہی ہے کہ اس سارے گھڑاک میں ہمارا تو فقط جسم تھا باقی ہر چیز جمیل الدین عالیٰ کا عطیہ تھی۔

ہمارے لئے ملک سے باہر نکلنے کا یہ پہلا موقع نہ تھا دور دور کے دیار جہاں ک آئے تھے لیکن جو تھرل جو سنی یا جو ذوق و شوق ایران کے سفر کے وقت محسوس ہو رہا تھا عازم یورپ ہوتے وقت نہ تھا وہ اجنبی دلیں تھے یہ ہماری تہذبی جنت گمگشتہ تھی ایران جدید کے متعلق بہت کچھ پڑھ رکھا ہے اور اب جانے سے پہلے پڑھا لیکن جب بھی آنکھ بند کی سامنے وہی بقشہ آیا جو حاجی بابا اصفہانی کے مرقدوں میں ہے جس طرح بغداد الف لیلہ کی وجہ سے عزیز ہے امریکہ اور یورپ سے ہندوستان آئے والوں کی نظریں ہوائی اڈے سے اترتے پیسانپول، مداریوں، ہاتھیوں، اور راجاؤں، کی کلاغیوں کو ڈھونڈنے لگتی ہیں۔

مارکو پولو اور ابن بطوطہ کا زمانہ ذرا پرانا ہے ابھی پچھلی صدی میں ہمارے مولوی محمد حسین آزاد ایران کا سفر کرتے ہیں تو منزل بہ منزل کارروائ سراووں میں ٹھر تے اپنے لئے خچر اور نوکر کے لئے ٹھو کرایہ کرتے جاتے ہیں سامان سفر ایک خوجی ہے اور ایک بستر، ٹریولر چیک اس زمانے میں نہیں تھے شہروں میں جاتے تو فارسی کی نادر کتابیں بیچنے جو ہندوستان سے ہمراہ لے گئے تھے اور جہاں کتابوں کا قدر داں نہ ہو۔

اہل آبادی روٹیاں۔ گھنی۔ دودھ۔ انڈے۔ گوشت۔ مرغیاں۔ قالینا تے ہیں قافلے والے قیمت میں کپڑا سوئیاں، رانگ پیتل کی انگوٹھیاں، جگدیاں کانچ اور شیشے کے دانے دے کر خویدتے ہیں۔ انہی محمد حسین آزاد کی ایک اور کتاب میں ایک ایرانی آقا سفر کا احوال پوچھتا ہے تو پاکستانی مسافر عرض پرواز ہوتا ہے۔

لا ہور سے کراچی تک ریل میں آیا براروپے دیئے وہاں سے بو شہر تک و خانی جہاں میں تمیں روپے اور دیئے بو شہر سے شیراز پندرہ قرآن میں جو ہمارے چھروپے کے برابر ہے یہاں مشیر الملک کی سرائے میں ٹھرا ہوں لیکن اچھی جگہ نہیں کوڑا کر کٹ بہت ہے۔

آقائے ہوشنگ اعلم باہر انتظار کر رہے تھے انہیں وزارت فرہنگ نے ہماری پیشوائی کے لئے بھیجا ہے بہت خلیق اور متواضع آدمی نکلے چند منٹ میں گھل مل گئے اور اب ہم ٹیکسی تاکسی سے باہر طہران کا منظر دیکھنے لگے یہ دانش گاہ ہے یہ خیاباں شاہر ضاہی ہے لیجھے یہ میدان فردوسی آگیا پس آپ کا ہوٹل زیادہ دور نہیں لیجھے

یہ رہا ہو ٹل ایران میں ٹیکسی کا کرایہ مسافت کے اعتبار سے نہیں شہر میں کہیں بھی چلے جائیں صدر سے گاندھی گارڈن کے بھی پندرہ روپیاں ہوں گے اور ناظم آباد سے کیاڑی کے بھی پندرہ روپیاں لئے سیر کھا جا البتہ ہوائی اڈے سے آتے جاتے وقت ۵ روپیاں لیتے ہیں روپیاں کو ایک آنے قصور فرمائے دس روپیاں کا ایک تو مان بتتا ہے جہاں ہم تو مان کہیں آپ دس آنے سمجھ لیجئے گانے شہر میں ٹیکسی کے علاوہ کوئی سواری نہیں اور ضرورت بھی نہیں طہران میں تیس ہزار ٹیکسیاں ہیں اتنی تعداد فقط نیو پارک میں ہے لیکن وہاں کی آبادی کم ہے۔

طہران کا موسم قریب کراچی ہی کا تھا انیس بیس کا فرق سمجھ لیجئے یعنی اچھی خاصی گرمی عام یہ تھا کہ اونی ریز جامہ اور پلان پہننے سے سارے جسم میں سویاں چھڑ رہی تھی ہو ٹل پہنچ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ان چیزوں کو اتار کر کھا زیر جامہ پہننے کی نوبت نہ آئی اور کوٹ ایک روز پہنا بد خشانی لو مر کے دستا نے اسی طرح تھہ کئے رکھ رہے اب ہم پھر اپنے معمولی سوت میں ملبوخیاں چھڑتی ٹیکتے ہو شنگ کے ساتھ ٹیکتے ٹیکتے ذرا باغ چل گئناتے شہر جدید کی سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔

Virtual Home
for Real People

مسائل خور در نوش کے

یہ خیابان ثریا ہے جس پر ہمارا ہو ٹل واقع ہے سڑک تو عمده ہے لیکن فٹ پاتھ کی حالت کین ابتر ہیجی بات یہ ہے کے سڑکیں بنانا اور مرمت کرنا شہرداری یعنی منسپتی والوں کی ذمی داری ہے اور فٹ پاتھ گھروں

اور دکانوں والوں کی خوب نالیاں بھی زیر زمین نہیں بلکہ سڑک کے دور ریہ اوپر نبی ہیں جیسی ہمارے جاندھر چیزے ہی ہوتی تھی نالیوں میں پانی البتہ کہیں نظر نہ آیا جانے کہاں جاتا ہے ممکن ہے عید بقر عید پر چھوڑتے ہوں ہو شنگ تو یہ سن کر حیران ہوا کہ ہم روزانہ نہاتے ہیں بولا میاں جی تم تو پانی کے کیڑے ہو میں تو مجھے جمع جام جاتا ہوں۔

لیجئے یہ خیابان شاہر رضا ہے بڑی بھی سڑک ہے کیا صاف اور مجلاد کا نیں ہیں سب کے کوڑا شیشے کے اور مال تجارت سے بھر پور دکانیں بھی نور علی نور بھائی صاحب یہ تو یورپ کا نقشہ ہے جی ہاں طہران کو ایشیاء کا پیرس اسی لئے کہتے ہیں ہم نے پوچھا تم نیپرس دیکھا ہے ہوشنگ نے کہا نہیں ہم نے عرض کیا دیکھ لیتے ہیں تو یہ بات نہ کہتے ہاں تو ہر عمارت پر دھواں اور کلائی چڑھی ہے اور لندن کا وہاں تھا ہاؤس دیکھو تو یوں لگتا ہے کہ کوئلے کا ڈپو ہے یہ خوبی اور صفائی تو ہالینڈ اور بیکم کے چھوٹے شہروں کی یاد دلاتی ہے سبزیوں کی دکان ہے لیکن آلو گوبھی تک یوں سجا کے رکھی ہے آرٹسٹ کا نگار خانہ مولوم ہوتا ہے اور قصائی بھی سفید برائیں باندھے کھڑا ہے اور گوشت زشیشے کے دروازے کے پچھے سے جھما جھم جھلک رہا ہے موچی کی دکان تک صاف ستھری دھری ہے میاں جی تمہارا طہران ہمارے کراچی سے بازی لے گیا خیابان فردوسی، خیابان سعدی اور لالہ زار کو دیکھنے کے بعد تو ایک فنسٹن سٹریٹ وکٹوریہ اور انار ٹنی بالکل ہی جی سے اتر گئیں اپنے ہاں کی بلند و بالا عمارت کا رعہ بھی اٹھ گیا لوگ حق یورپ کی تفریخ کو جاتے ہیں یہاں آئیں قریب تر ملک ہے زبان بھی کچھ نہ پکھ تو پلے پڑتی ہے باقی رہے نائٹ کلب سو یہاں بھی ہیں اور سنا ہے ایک سے ایک پڑھ کر مسافرنو از ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتی تھیں بھی ہیں اور سینما بھی یہی دیکھنے سامنے کیا و مدد ہے کوئی تصویر لگی ہے آوارہ راج کپور نگس، حضرت ادھر بھی ایک نظر تاج محل بنیارائے اور پر دیپ کمار آوارہ چھ سینماوں میں چل رہی ہے اور چودھویں کھڑکی کی توڑہ هفتہ ہے تاج محل تو شاندار ریکارڈ توڑہ ہے اور مکالمے ڈب کرتے ہیں (دوبلہ کا مطلب ہے ڈب) گانے اصل زبان میں رہتے ہیں۔

کہا دور کیوں جاتے ہو یہ سامنے سالن کی دکان ہے روٹی بھی ضرور دیتے ہوں گے یہ اچھی بات نہیں تو ادھر بھی سالن کا بورڈ لگا ہے بولے یہ کھانے کی دکانیں تھوڑے ہیں۔
پھر کیا ہے۔

یہاں عورتوں کے بال بناتے ہیں اور ادھر درزی بیٹھتا ہے۔

پھر سالن کیوں لکھا ہے۔

ہنس کر بولے یہ اصل میں سیلوں ہے درزی، نائی، دھوپی سبھی کی دکانیں سالن ہیں ایلو یہ ریستوران بھی آگیا چیلو کباب کا نام سنا ہے۔ یہاں کی سب سے بڑی مشہور ڈش ہے جی خوش ہو جائے گا۔

آقاۓ ابن انشا چیلو کباب کے متعلق پڑھ پڑھ کر اس کے غائبانہ عاشق ہو چکے تھے بیرے نے لا کر ایک پیالی رکھی جس میں چار انڈے کچے پھوٹے ہوئے رکھے تھے۔

اچھا تو یہ ہے چیلو ہم نے نعرہ لگایا۔

بولے نہیں یہ انڈے ہیں۔

اب بیرا ایک بوقت لایا جس میں کچھ سفید ساعر ق تھا۔

تو پھر یہ ہو گا چیلو،

بولے نہیں یہ تو دو غہے لسی۔ کس نہ کہ دو غہ من ترش است اب کچی پیاز آگئی چیلو کاج ہماری زبان تک آیا لیکن، ہم چبا گئے پھر ایک ڈش چاول کی آئی اب کے ہم چپ رے پھر موٹے مسٹنڈے کے کبابوں کا ایک طباق ہم نے ہوشنگ سے کہا بھائی صاحب ہم بڑا گوشت نہیں کھاتے تم از گم اتنا بڑا نہیں کھاتے اور چاول کھانے سے ہمیں قبض ہوتی ہے سیدھی سیدھی کوئی روٹی منگوا اور سالن بھی ہو گا سالن سے ہمارا مطلب ناٹی کی دکان نہیں بلکہ پکا ہوا گوشت، سبزی وغیرہ ہے،
بولے کیا کھاؤ گے

ہم نے کہا ماش کی دال ہو گی؟

بولے وہ کیا ہوتی ہے؟

اس وقت اس شے لطیف کا انگریزی ترجمہ ذہن میں آیا نہ فارسی۔ لہذا ہم نے کہا ایک طرح کی سبزی ہوتی ہے نیز آج تمہاری خاطر سے چیلو کباب ہی سہی بولے ایک انڈہ ابھی اسمیں ملاؤ پھر دیکھو مرا۔

شام کو جو تھا ٹھلنے نکلے تو خیابان ثریا سے نکل کر خیابان تخت جمشید پر آئے وہ ختم ہوئی تو ہمارے نقشے کے مطابق شمریان جانے والی سڑک تھی وہاں سے دینے ہاتھ مر کر پھر خیابان شاہزادہ پر پہنچنے ایک طرف چھوٹی سی کبابی کی دکان تھی جامع مسجد کے جانی کباب کی نہیں لئکی اور پھینٹا باندھے بیٹھا ہو بلکہ یورپ کے کبابی کی کوٹ پتلون ڈاٹنے کھڑا تھا اور گیس کے الاؤ پر یکے بنار ہو تھا کچھ کھانے کی تو حاجت نہ تھی دو پھر چیلو کباب بجو کھائے تھے۔

ہم نے کہا آقا کو کا کولا پیا دید۔
یکتا؟

یک عدد۔

پھر بولے یکتا۔

بلے بلہم نے رفع شر کے لئے کہا،

قصہ یہ ہے کہ آپ کو چار سیب اور پانچ انار چاہیئیں تو چار سیب یا پانچ انار کہنا کافی نہیں نہ عدد سے گام چلے گا کہئے چار تا سیب اور پانچ تا انار جیسے ہمارے بعض علاقوں میں کہتے ہیں وہ ٹھوکی لاتولاً لیکن ہم تو وہاں جتنے روز ہے دو غہ پیتے رہے پنجاب کے دیہات کی قدرے ترش اور نمکین سی کا لطف آتا تھا یہ بولوں میں بند ملتی ہے کھانے کے بعد ہمیشہ ہم نے خربوزے کی فرمائش کی ہمارا سرداں کا خربوزہ ہوتا ہے لیکن ایرانی خربوزے کی اضافت خستگی اور شیر نہی کے کیا کہنے ہم دیہاتوں کی زبان میں باکل گڑھا گڑ۔

خیر کو کا کولا کی چسکی لگاتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ کبابی نے ایک گاہک کے آگے کباب لا کر رکھا کوئی صیرھفت کا ہو گا اس کے بعد اس کو پیٹنے کے لئے ایک تہ بہ تہ کاغذ چھدار اسما ملگا کا غذ گاہک نے اسے پیٹنا اور کیا دیکھتے ہیں جیب میں رکھنے کے بجائے سمنہ سے زور کا ایک چاکاٹ لیا تو پھر کاغذ نہیں ہو سکتا، ہم نے کہا دو کاندار سے میاں ذرا دکھاؤنا کیا چیز ہے معلوم ہوا امیدے کی کاغذ کے برابر باریک تھوں والی روٹی ہے بولے لااؤں ہم نے کہا نہیں مہربانی حمت شما زیاد سایہ شما متندام۔

خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے ہمیں بھی بعد تلاش بسیار روٹی علی ہم نے کہا ایں نان می خوانیم انجا کو اونچا بولیں گے خانہ کو خونہ ہست تمہارا خونہ خواب آسمان ان کو گٹ کر رکھ دیا ہے آسمون بولتے ہیں بچارے کی ساری شان یعنی شون مٹی میں مل جاتی ہے بابا ہمیں یہ زبون یعنی زبان نہیں آئے کی خیر یہ روٹی کے پار پھے تھے اب ہم نے کہا کہ پوری روٹی دکھا ہئے بولے اس کے لئے نابنائی کے ہاں جائیں ہمارے ہاں تو نکلڑے

آتے ہیں ہم نے درخواست کی کہ اچھا ذرا گرم ٹکڑے لاہئے بولے گرم چہ معنی دار ٹھنڈی ہے لیکن تازہ ہے ابھی کل شام ہی تو آئی ہے۔

موزہ مردم شناسی سے آتے ہیں ایک کوچے میں دیکھا کہ ایک کیل سے کوئی لمبی سی چیز لٹک رہی ہے بظاہر نان معلوم ہوتا تھا بھی نان لیکن کوئی ڈھائی تین گزر لمبایہ محض اشتیار کے طور پر تھا اندر دیکھا کہ بروضع قطع کی روٹیاں ہیں کوئی توے کے برابر ہے کوئی پرات کے برابر دیوار میں جا بجا کھونٹیاں لگی ہیں اور ان سے لٹک ہوئی ہیں جیسے ہمارے ہاں ٹوکریاں اور چنگریاں دکانوں پر ایک صاحب نے ایک دوفٹ قطر کی روٹی لی اور اسے بغیر کسی چیز میں لپیٹے سائیکل کے کیر یہ پر رکھ پہ جاوہ چاہم نے ہوشنگ سے کہا ہم تو تازہ روٹی کھاتے ہیں ہم بھی بالعلوم یہ روٹی ہفتہ بھر بلکہ تین چار روز سے زیادہ نہیں رکھتے ہاں بعض لوگ غریب رب ایک بار خوید لیتے ہیں مہینہ بھر کھاتے ہیں تمہارے کیا اسی روز کی کپی روٹی کھاتے ہی؟

معلوم ہوا آب و ہوا خشک ہے اور سر دی چیز خواب نہیں ہوتی ہوشنگ چند روز ہوئے پاکستان آئے تو ہوٹل فاروق کے نان سے ہاتھ جلا بیٹھے بولے ہاں تم واقعی گرم روٹی کھاتے ہو لیکن کیوں؟

ہم ایران سے جلد کیوں لوئے

فارسی میں انڈے کو کیا کہتے ہیں؟ بضہ ؟
جی نہیں تخم، تخم مرغ۔ ہاف بو انڈلڈ کو نیم رد کہتے ہیں یہ ہمیں معلوم تھا۔ اس لئے ہم نے ٹھسے سے پہلے ہی روز پیش خدمات سے کہہ دیا تخم مرغ نیم رواس کے بعد فرائی اور آمیٹ کو بھی جی بہت چاہا لیکن طوعاً و کرہا جتنے دن رہے ہاف بو انڈلڈ ہی کھاتے رہے کیونکہ انڈے کی دوسری صورتیں آرڈر کرتے کے ہماری فارسی کافی نہیں تھیں۔

وہاں خشک قوت میوے والوں کے ہاں ملتے ہیں بہت میٹھے اور مزے کے ہوتے ہیں بس جا کر یہ کہ دیتے ہیں بقدر تجھ ریال بد ہید بقدر کوہ نہیں سمجھا کیونکہ پرانی فارسی ہے ہاں تجھ ریال کا لفظ اور انگلی کا اشارہ کافی ہوتا ہے ایک روز کوئی تمکین چیز چاہتے تھی تمکین بھی کہا نہ کر آلو دبھی کہا کام نہ بنا پتہ چلا کہ شور کہنا چاہئے تھا۔

طہران میں گاڑیاں سڑک کے دائیں ہاتھ چلتی ہیں اور ہمارے ہوٹل کے کمرے میں بھلی کھٹکا و پر اٹھانے سے جلتی ہے اور دبانے پر بھتی ہے سڑکیں خیابان کھلائی ہیں اور گھر منزل ہمارے ہاں کی منزل طبقہ کھلائی ہے اور میدان کا مطلب ہے چوک اور دے کو سازمان کہتے ہی اور دفتر کو آفس ادارہ آپ ایران میں دفتر کا لفظ بولیں گے تو عموماً اس کا مطلب کاپی ہو گا صفحے کی کاپی دو صفحے کی کاپی عمارت یہاں کی اصطلاح میں ساختمان ہے اور تعمیر کرنے کا مطلب تعمیر کرنا ہے آپ جو تعمیر کرائیں یا کپڑا رضا شاہ کبیر کے عہد میں فرہنگستان ایران کے نام سے ایک خاص ادارہ کو فارسی کو خالص بنانے (یعنی عربی کے الفاظ نکالنے) کے لئے قائم ہوا اس نے پلچر اور تعلیمات کو فرہنگ بنایا اور مشتمل کوسہ گوشہ، طبہ، پرشکنی کھلائی اور دارالفنون یا مدرسہ اسکول و بستان کے نام سے موسوم ہوئے اور سیکنڈری اسکول بیر و بستان کھلائے یونیورسٹی جامعہ کی بجائے دانشگاہ کھلائی اور طالبعلم نے دانشجو کا چوغہ بدلا آثار قدیم و یاد بستان شناسی ہے بلکہ ہر علم شناسی ہے۔

یہ تو ہوئی قدر تی بات لیکن جہاں فارسی الفاظ تھے وہاں عربی الفاظ رکھنے کی علمیت سمجھ میں نہیں آتی ناشتا نہ سہی چاشت کہہ لیتے وہ صحابہ بن گیا ہے اور دوپہر کا کھانا نہار ہم نے بیرے سے کھا بل لاؤ دستخط کر دیں کچھ نہ سمجھا آخو میں کھا کے دستخط متروک ہے امصار کرنا کہنا چاہئے دلچسپ کو وہاں جالب کہیں گے۔۔۔۔۔ اور ٹرین ترن، موٹر کار کو ماشین کہتے ہیں اور فرنچس کو کومبل۔ (جو فرائس لفظ ہے) اب تو شکریہ کے لئے بھی خیلے منونم و متشکر کار و اج اٹھتا جا رہا ہے مرد میتمکن ہو یا موڑ رائیور فرانسیوں کی طرح مرسی کہ کے الگ ہو جاتا ہے۔

وصل کے صحیح پہلوے بت سے
اٹھ گئے یار تھینک یو کہ کر

دو گھنٹے جلس بجا میں

کھانا کھایا تو اب قیلولہ بھی ضرور ہو گا قیلولہ ایران کا قومی شغل ہے امیر غریب سب کھانے کے بعد سوتے ہیں زیادہ تر دکانیں ایک بجے سے چار بجے سے پھر تک بندر ہتھی ہیں اور بعض دفتروں میں کام ایک بجے دوپھر شروع ہوتا ہے اور پھر چھ بجے شام سے آٹھ نوبجے تک بینتے ہیں ہوشنگ سے ہم نے کہا اچھا میاں اب تم بھی آرام کرو کل صبح وزارت تعلیم میں آقائے اردنان سے ملنا ہے تم اپنے گھر سے ہو ٹل آجائو تو اچھا ہے ان سے نوبجے ملنے کا وقت مقرر ہے ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔

بولے تمہارے ہاں کوئی نوک ہے تو اس کا مطلب نوبجے ہی ہوتا ہے ہم نے کہا نہیں خیریہ بات نہیں ہماور پرانی روایت تو پابندی وقت نہیں آزادی وقت ہے لیکن تمہارے ہاں یورپ کا اثر زیادہ ہے۔ بولے بے شک ہم داڑھی منڈواتے ہیں اور مغربی لباس پہنتے ہیں اور دن دو نی رات چو گنی ترقی کر رہے ہیں لیکن بعض قومی روایات کو ہم نے قائم رکھا ہے ان میں یہ آزادی وقت کی خصوصیت بھی ہے آقائے اردنان کی تو اور بات ہے معتدل طبیعت کے آدمی ہیں ورنہ اس کا بھی امکان ہے کہ آپ نوبجے کا کہہ کر واقعی نوبجے پہنچ جائیں اور میزبان کو تکلیف ہو اور وہ اپنے جی میں خفا ہو جائے ویسے اس کی نوبت اس لئے کم آتی ہے کہ نوبجے آپ جائیں تو اسے پائیں گے ہی نہیں سو میں کل نوبجے انشا اللہ تمہارے ہو ٹل آجائیں گا وہیاں سوانو ساڑھے نوبجے پہنچے میں مضافات نہیں۔

اسی اصول کے تحت وہ خود ہمارے ہو ٹل ساڑھے نوبجے پہنچے اور جب ہم آقائے اردنان کے دفتر تو دس نج رہے تھے چہرا سی نے اہلا و سہلا ہماری بلا میں لے کر کہا جی بس آیا ہی چاہتے ہیں وہ دیکھتے انہی کی کار معلوم ہوتی ہے بفرمائید بفرمائید۔

ہو ٹل پہنچے تو آقائے پیش خدمت نے ہاتھوں ہاتھ لیا پادر ہے کہ ایران میں کسی کو کام یا پیشے کی بنا پر ذلیل نہیں سمجھا جاتا ڈرائیور ہو پاپیرا گدا گر ہو یا جاروب کش اسے آقا کہہ کر خطاب کریں گے آقائے رانندہ اگلی سڑک پر اتار دیجئے خلیے پکر ہستم آقائے پہنچ خدمت ایک چائے لاد دیجئے مرحمت شمازیاد آقا جاروب کش قربانی شوم ذرا میں گزر لوں پھر جھاڑ دیجئے گا گدا گر کے بارے میں ہمارا ذوق تجربہ نہیں لیکن یقین ہے اسے بھی پیسہ دے کر یہی کہتے ہوں گے آقائے گدا گر یہ حقیر چوبی قبول فرمائے خدا آپ کو ترقی درجات عطا فرمائے بندہ آپ کے خادم ہے۔

پہنچ بجے اٹھے چائے پی بارے چائے کا کچھ بیان ہو جائے آپ کسی دفتر میں جائیں یاد کان میں فوراً ایک آدمی سینی میں چائے کی چھوٹی چھوٹی گلاسیاں اور پیالے میں شکر، بالعوم شکر کے کیوب لے کر آپ کے پاس پہنچے بفرمائید بفرمائید دودھ وہاں نہیں ڈالتے ہم نے معلوم کیا عموماً ایسا چھوٹا گلاس ہمارے تین کپ چوٹھائی پہنچھے ایک ریال یعنی یک آنے میں دیتے ہیں یہ ایک طرح سے قومی مشروب بن گیا چائے اچھی ہوتی ہے ہمارے یہاں کی طرح کاڑھایا جو شاندہ نہیں بناتے لیکن ہو ٹل میں ذرا زیادہ فرینہ ہوتا ہے دو چائے دنیاں آتی ہیں اصل میں چائے دنی ایک ہی ہوتی ہے دوسری پانی دانی کہتے کیونکہ اسمیں خالی گرم پانی رہتا ہے اگر آپ چائے کا رنگ ہلکا کرنا چاہتے ہیں تو اس میں تھوڑا اپانی ملاتیجی ہم ہلکی چائے پسند کرتے ہیں ہمیں تو یہ طریقہ پسند آیا ایک آدھا دودھ ماٹگا فوراً مہیا کیا گیا لیکن سچ ہی ہے کہ جو مزابلا دودھ پینے میں آیا ہلہدا پھر ہم نے بھی دودھ کنارا کیا۔ اب کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ خوب بن ٹھن کر ہم نے گمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے چاپی لگائی تو وہ پوری گھوم کے نہیں دی دوسری طرف گھمائی وہ بھی بیکار زور لگایا ناکام بلکہ چاپی کے ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہوا سوچا پھر

زور لگایا پھر سوچا وہی نتیجہ ہونے دیا جاتے ہوئے باہر سے بند کر گیا خدا جانے کیسادروازہ ہے عقبی کھڑکی میں سے باہر کاریکارڈ میں نکلا چاہئے لیکن کھڑکی میں جالی تھی روشن داں کوئی نہ تھادروازے کے کسی طرف کسی قسم کی جھری نہ تھی جس سے پہلے اپنی چابی باہر کسی کو دے کر کہ سکتے کہ باہر سے کھلو۔

شکر خدا کا کہ ٹیلی فون کمرے میں موجود تھا ہم نے کونٹر پر فون کیا کہ ہم ۱۸۸ نمبر کمرے میں بند ہو گئے ہیں آپ کا بیرائیعی آقاۓ پیش خدمت غالباً سے باہر سے بند کر گیا ہے یا پھر اس تالے میں کوئی ایچ بیچ ہے اللہ مدد کیجئے ہمیں ایک جگہ پہنچانا آپ کے پاس ڈیکپیکٹ چابی تو ہو گی۔
ایک ترکیب بنا کر بولے اس طرح کیجئے۔

ہم نے کہا اس طرح کر لیا۔

بولے یوں گھمائے۔

عرض کیا یوں بھی گھما دیکھا۔

بولے پھر تو انتظار کرنا ہو گا کیونکہ جس آدمی کے پاس چابیاں رہتی ہیں وہ کل کے لئے گوشت لینے گیا

ہے۔

کب آئے گا؟

کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں آ جانا چاہئے اور کوئی خدمت ہو تو حاضر ہیں اتنے میں کہ بیرا گوشت لے آئے آپ ایک قصہ سننے کے اندر میں بھی پہلے روز ہمارے ساتھ ایسی ہی واردت ہو چکی ہے۔

ہم کوئیز گارڈن میں جو ہائیڈ پارک کے سامنے کوئنز ووے کے پاس ہے پچاس نمبر کے مکان میں فروٹی ہوئے ہم کا مطلب ہے کہ یہ گھنگار اور بنگالی شاعر ابو الحین دن تو گذرات کو سونے کے لئے تو ابو الحین نے کھاڑا ٹھیک سے دروازہ بند کر لینا اللدن میں چورا چکے بہت ہیں بیشک چورا چکوں کا ڈر تھا کیوں نکہ ہمارے سوٹ کیسوس میں تھی کئی قمض، پاجامے، کتابیں۔ رسالے شیو کا سامان، بُن ٹانکے کا سوئی دھاگہ، غیر مطبوعہ کلام غرضیکہ خاصی قیمتی اشیا تھیں ہم نے تالا لگانا چاہا تو دیکھا کہ اندر چابی کا سوراخ ہی نہیں ہے۔
ہم نے کہا ابو الحسین چابی کہاں لگا میں۔

بولے چابی کے سوراخ ہیں۔

عرض کیا وہ کہا ہے ذرا دیکھ کے تو بتاؤ۔

بولے آندھیوں کو بھی نظر آتا ہے۔

سوراخ ان کو بھی ملتا نہ ملا۔ ہم نے کہا اچھا ہم باہر سے جا کر تالا لگاتے ہیں۔

بولے پھر اندر کیسے آؤ گے۔

ہم نے کہا یہ پھر سوچیں گے سب کام ایک ساتھ نہیں کرتے ہم نے کہا باہر جا کر چابی گھمائی اور کھٹ سے تالا کھل گیا پاکار کر ابو الحسین سے کہا اب ذرا سے کھول کے دیکھو۔
اس نے ہندل گھمایا۔ دروازہ پھر کھل گیا۔

اب ہم چلتیں میں پڑ گے لینڈ لیڈی سے کہیں گے تو پوچھے گی تمہارے پاس کون سے ہیرے جو اہر ہیں جو ہم بروٹونوی کی فیتوں پر شک کرتے ہیں خیر یوں ہی لیٹ گئے تھوڑی دیر ہوئی ذرا کھٹکا ہوا ہم نے جان ہتھیلی پر رکھ کر دروازہ کھولا کوئی نہ تھا پھر سرسر اہٹ ہوئی اب کے بھی دیکھا تو باہر کاریکارڈ خامی تھی سونا چاہا تو فکر سے نیند نہ آئی آخوایک کرتی کو بھڑا کر دروازے کے ساتھ رکھا اسپر اپنا سوٹ کیس اس پر ابو الحسین کا سوٹ کیس اسپر کمرے میں جو بھی بھاری چیز نظر آئی حتیٰ کہ پانی پینے کا ملگ، صابون، اور اپنابلیڈوں کا پیکٹ بھی رکھ دیا تب کچھ اطمینان ہوا۔

یہ ہمارا اس قسم کے تالوں سے پہلا تعارف تھا جو دروازے بھیڑنے سے خود بخوبی بند ہو جاتے ہیں اور پھر باہر سے چاپی کے بغیر نہیں کھول سکتے ہاں اندر سے آپ انہیں بلا چاپی محض ہینڈل گھما کر کھول سکتے ہیں۔

خیر آدھا گھنٹہ گزر اپون گھنٹہ ہو گیا کونٹر سے معلوم کیا کہ پتہ چلا گوشت لینے والے صاحب بھی نہیں آئے شاید دوسری مارکیٹ چلے گئے جو شہر سے باہر ہے آکو دروازے میں باہر لجی گھومی اور ہم آزاد ہو گئے۔

ہم نے کہا آقا۔ کیا خرابی تھی۔

بولے یہاں گوشت خواب ملتا ہے اسلئے شرمن چلا گیا تھا۔

ہم نے کہا گوشت کی نہیں پوچھتے تالے کی پوچھر ہے ہو۔

بولے تالا تو ٹھیک ہے یہ لو انہوں نے کھولا بند کیا کھولا بند کیا۔

بولے بس چاپی گھماتے وقت ایک ہاتھ سے کوڑا کو ذرا دھکیلے رکھو۔

ہم نے ناراض ہو کر کہا یہ بات جناب آقا ہمیں پہلے بتانی چاہئے تھی۔ ہم نوادر غریب الوطن یہ بھید کیا جائیں۔

آقا نے ابن انشا خویداری کو نکلے

طہران روانہ ہونے سے پہلے ہم نے سوچا کہ کسی ایرانی سے پوچھنا چاہئے کہ ایران مہنگا ہے یا سستا یہیں نیچے کیفے سامان کے ایرانی سے پوچھا کہیں آقا طہران سستا ہے یا مہنگا۔

بولے مہنگائی بھی ہے اور ستا بھی۔

کیا مطلب آقا؟

مطلوب یہ کہ اگر منہ مانگے دام دو تو سخت مہنگا ہوں تول بھاؤتا و کرو تو ستا انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر کوئی دکاندار دس روپے کے تو پانچ سے شروع کرنا اور سات میں لے لینا وہاں جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ آخوی ایریا نی تھے ایرانیوں کی پیچ کر گئے اصل میں تین سے شروع کر کے پانچ پر ختم کرنا چاہئے تھا بلکہ حاجی بابا اصفہانی نے جب طہران کی جونا مارکیٹ سے کپڑے خویدے ہیں تو دکاندار نے چوبیس تو مان کا حساب جوڑا تھا لیکن حاجی صاحب نے پانچ تو مان بولی لگائی اور چھ پر تصفیہ ہو گیا تھا۔

ٹیکسی کا ہم عرض کر چکے کہ شہر میں کہیں شلے چائے پندرہ ریال سرکاری طور پر مقرر ہے لیکن ہوشنگ نے ایک روز کھاد کیا ہوا اگر نزدیک جانا ہوا کرے تو دس ریال پانچ ریال میں بھی معاملہ ہو سکتا ہے اس کے بعد ہم معاملہ کرنے لگے اور ٹیکسی ڈرائیور نے ایک بار بھی تو انکار نہیں کیا کتابیں بھی ہم چھپی ہوئی قیمت پر خویدتے رہے بہت بعد میں پہتہ چلا کہ یہ بھی ہماری علطی تھی پاکستان میں کوئی چیز خویدنی ہو تو کہیں گے چنس اسست یعنی کتنے کی ہے اپنی فارسی چلانے کی کوشش نہ کیجئے کہ قیمتیں چیزیں، بہاش چہ قدد ہست وغیرہ وغیرہ یہ کچھ نہیں چلے گا پھر دکاندار جو بتائیے اس کا جزر نکال کر اسے جواب دیجئے وہ کہے گا کہیں باشد یعنی ہر گز ہرگز نہیں اور چیز بظاہر سمیٹی شروع کردے گا چلتے چلتے کہے کہ آخونپندی فروشی یعنی میاں دینے والی بات کرو ہم سے اپنچ بیچ نہیں چلے گا آخوود بجان شما کہہ کر دے گا۔

فروش گاہ فردوی یہاں کا مشہور ڈیپاٹمنٹل اسٹور ہے چار منزلیں انواع اقسام کے مال اسباب سے پھر ہیں باہر کا مال بھی ہے لیکن زیادہ تراپریان کا اپنے سے اچھا لندن کے سلفرنج کے انداز پر بنیجے کے طبقے یعنی زیریز میں منزل میں کھانے ریندھے کے برتن، اور بھاری سامان ہے اور کپڑے، سنگھار کا سامان روز مرہ کی ضرورت کی چیزیں، گھڑیاں، ریڈی یو، ریڈی میڈی سوٹ، کھلونے، مٹھائیاں زیورات وغیرہ سب سے اوپر کی منزل پر فرنپھر ہے صوفہ سیٹ چھپر کھٹ اور اپریان کی فنکارنہ مصنوعات بھی ساتھ ہی ریستوران ہے آپ اسٹال سے چیز لیجئے وہیں ایک خاتون کچ میمودے گی جی ہاں زیادہ تر بلکہ تمام متroxatین ہی ہیں اور یہ کام عورتوں ہی کے کرنے کے ہیں لیکن ایک فرق یورپ کے اور اپریان کے ڈیپاٹمنٹل اسٹور میں دیکھا کہ وہاں کوئی کسی چیز کی سفارش نہیں کرتا آپ کو جو لینا ہے خود پسند کیجئے یہاں یہ ہوا کہ ایک چیز خریدنے تو خاتون محترم دو چیزیں اور لا کے رکھے گی صاحب یہ بڑی عمدہ چیز ہے یہ ضرور لیجئے جی خوش ہوا کہ کچھ تو مشرفتیت باقی ہے ہم نزے کوشاں ہو کر نہیں رہ گئے یوں نام کے فرشگاہیں اور سپر مارکیٹ طہران میں اور بھی ہیں لیکن اصل یہی فروشگاہ فردوی ہے جو خیابان فردوی پر باک علی اپریان کے صدر دفتر کے پاس واقع ہے چیزیں دیکھ کر خوش ہوا لیکن سچ یہ ہے کہ خریداری میں مزہ نہیں آیا کیونکہ یہاں دام کم نہیں کرتے جو لکھا ہے وہی لیتے ہیں اس شکایت پر ہوشنگ نے کہا پھر تم یہاں کیوں آئے بازار بزرگ جاؤ وہاں تمہارے لوگوں کے لوگ میں گے۔

یہ بازار بزرگ ہے یہاں کا مشہور روانی بازار چھتے ہوئے تنگ راستے، ہر دو طرف بھری پری دکانیں سو گز جائیے تو ایک شاخ دہنے ہاتھ پر مڑ جائے گی ایک بائیں ہاتھ اس پر مزید کراسنگ آئیں گے اور مزید چوشاخ نکلیں گے یہ چینی کے برتوں والے ہیں چھتوں تک چینی اور شیشے کے ظروف اُں ہیں لیکن مال باہر کا ہے ادھر مقتضی برتن اور کپڑے بکتے ہیں ادھر پنساری ادھر چھڑے کے سوت کیسوس والے یہ جو توں کا بازا

رہے یہ قالینوں کی گلی ہے پورا الف لیلہ کا نقشہ ہے اور جوڑ یا بازار کی سی ہماہتی ہے کہ ریڑھے پر سامان لدا آرہا ہے اور پیدل کے گزرنے کی گنجائش بھی نہیں غور سے دیکھنے پر یہاں کے تاجر ان گرام دہله کے پنجابی سوداگر معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک بات یاد رہے یہاں داڑھی کوئی نہیں رکھتا سب صفاچٹ ہیں اور مغربی لباس کے علاوہ کوئی لباس نہیں سارے طہران میں داڑھیوں اور لبادوں والے کے علاوہ تین چار ہی نظر آئیں گے وہ بھی درگہ شاہ عبدالعزیزم ہیں۔

بازار بزرگ کی بھول بھلیاں ایسی تھیں کہ ہوشنگ کو جو طھر ان کی پیدائش ہے کئی بازار راستہ پوچھنا پڑا سب گلیاں ایک سی ہیں اور پیچ در پیچ گر ہیں لگی ہوئی ہیں آخو جو ہم ایک لگی سے مرے تو ایک صحیت مسجد میں نکلے۔

کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ یہاں کی مشہور مسجد شاہ ہے لیکن لوگ چھاڑیاں لئے جوتے پھٹکارتے صحن کے ادھر سے آتے ہیں ادھر نکل جاتے ہیں صحن کے وسط میں حوض تھا جو یہاں ہر سجدہ میں ہوتا ہے چار طرف حجرے جو اب بند ہیں استعمال میں نہیں آتے ایران کی مسجدوں کی وضع ہماری مسجدوں سے مختلف ہوتی ہے لوگ نماز پڑھتے ہیں ایک طرف کوکلی سی میں سبق صحن میں جس کا بھی چاہئے آئے جائے۔

چند دن میں ہم بھاؤ تاؤ مول توں میں ایسے مشاق ہو گئے کہ دوکندار ہم سے خوف کھانے لگے اور جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ دس کہتے ہیں، ہم ایک کہتے تو اکثر دوکاندار ہماری شکل دیکھتے ہیں یا تو دکان بند کرنے لگتے یا عقبی دروازے کے فرار ہو جاتے کہ پچوپا کستانی آقا خویداری کرنے آیا ہے البتہ لا لازار کے ایک دکاندار سے ہم نے جو خویداری کی اس کے متعلق طے نہیں کوئی میں رہا کس نے گھاٹا کھایا۔

لالہ زار طہر ان کی انفلیشن اسٹریٹ ہے سبھی طرح کی دکانیں ہیں لیکن کپڑوں کی زیادہ بزار بھی ہیں سوٹ خویدنے اور بوانے کا نہ وقت تھا نہ پیسے ہم کھڑکیوں میں سیر دیکھتے بورڈ پرستھے گزرتے تھکیہ ایک صاحب نے فور آداپ سلام کر کے اپنی چھوٹی سی کنیا میں آنے کی دعوت دی دعوت کیا دی گھسیٹ لیا پکھھٹا مُم پیس تھے پکھھٹا میاں پھیں پکھھ موزے بنیان وغیرہ۔ آپ نے الف لیپڑے میں بک جام کا حال پڑھا ہو گا جس کی زبان ہی تالوں سے نہیں لگتی اور چلتی رقم ایسا جیسے ہر عضو میں کمانیاں لگی ہوں یہ شخص بھی نان اسٹاپ بولتا ہے، ہم نے تھوڑی دیر توبات سمجھنے کی کوشش کی لیکن آخونکا ان پیٹ لئے بھی لپیٹے تو اتنی فارسی آدھ گھنٹے میں بول گیا جتنی ہم نے ساری عمر میں نہیں سنی گفتگو میں کہیں کہیں کوئی لفظ سمجھ میں آتا تھا لہذا وہ کچھ کہتا تھا ہم کچھ نہ وہ ہماری سن رہا تھا، ہم اسکی بات سمجھ سکتے تھے گفتگو کا انداز کچھ پیوں تھا (جو لفظ سمجھ میں آئے لکھدیے باقی جگہ لکیر ڈال دی)

----- آقا بفرمید ----- ایران ----- خلیل ----- شما -----

قربانت شوم۔۔۔ خواہش می کم خواہش می کنم۔۔۔ باشد
ہم نے ایک ظائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

ایں ٹائی چندا میں۔

فرمایا آں کراویت ٹائی کے لئے یہ لفظ فرنچ سے آیا ہے، است۔

آقا چند ہم نے کان ان کے بزدیک لے جا کر پوچھا یعنی کیا فرمایا آپ نے۔

بولے شونزہ شونزہ شونزہ۔

ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا ہم نے ان کو قلم دے کر کہا این جانبو سید تب سمجھ میں آیا کہ سولہ تو مان کی بات ہے شانزہ کوشانزہ ہمیں خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔
ہم نے کہانہ آقانچ تو مان۔

پھر اس نے کچھ کہاں جس میں سے دروازے لالفظ سمجھ میں نہ آیا گویا بارہ تو مان پر اترے۔
نہ آغازش اتنے میں ہماری نظر ایک اور ٹائی پر پڑی اس کا انہوں نے پرنزہ یعنی پانزہ یعنی پندرہ بتایا ہم نے تو فقط پوچھا اس نے اتار کر دونوں ٹائیاں کاغذ میں باندھنی شروع کی ہم نے کہا براۓ ہر دروازہ تو مانیش نمی دہم یعنی دونوں دس مان میں دیتے ہو تو دور نہ چھٹی۔

بولے بست تو مان
یعنی بیس پر آئے۔

قصہ مختصر ہے وہ چودہ پر تو مان اترے ہم تیرہ پر مان تو آئے۔

اب ہم نے ایک نوٹ دس کامان کا دیا ایک دو کا اور ایک ایک کا یاد رہے کہ تو مان محض لفظی سکھے ہے اصل سکھ ریا ہے ایک نوٹ سو کا دوسرا بیس کا اور تیسرا دس روپیاں کا تھا،
اس نے کچھ کہا۔۔۔ یعنی لفظ ایک بھی ہماری سمجھ میں نہ آیا ہم بخیر وسلامت کہ جانے کو تھے کہ اس نے ہمیں بازو سے پکڑا اور ایک اونی بنیاں اور اسکے ساتھ کا گرم گھٹنا ہمارے ساتھ سامنے پھیلا دیا۔

خیلے خوب است خیلے خوب است
ہم نے کہا ہمارے ملک میں اتنی سردی نہیں ہوتی کہ اسے پہنچنے کی ضرورت ہو۔
بولے ہوتی ہے،

ہم نے کہا نہیں ہوتی ہم آس لینڈ سے نہیں آئے۔

بولے پھر بھی اچھی چیز لے جاؤ یہ گی
ہم نے کہا کہ بابا ہم کیا کریں یہ میں نہیں چاہئے۔
کہنے لگے بیس تو مان میں دیتا ہوں بالکل مفت ہے۔

ہم نے نہ کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن وہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
اب ہم نے عذر کیا یہ ۲۸ نمبر کی ہے ہمارا سائز ۳۹ ہے یہ ہمارے لئے بڑی ہے۔
بولے نمبر کی پروانہ کرو تمہارے انشال اللہ فٹ آئے گی۔

ہم نے انگلی ہلاتے ہوئے کہا نا۔ نا۔ نا۔

پھر فارسی کا ایک سیلا ب عظیم الہاب کے ہم نے ایک جگہ کانلگا یا اور اس نے بھی زور دے کر چند الفاظ صاف بولے تو پتہ چلا کہ ہم پسے زیادہ دے گئے ہیں ہم نے حساب گلایا اونچی ٹھیک تھا، ہم نے جو نٹ اور تو مان یعنی بیس روپیاں کا دیا تھا وہ اصل میں سوریاں کا تھا گویا ہم نے تیرہ کی بجائے ایتیں تو مان دیئے تھے، ہم بہت ممنون اور منتشر ہوئے اور ان کی ایمانداری کو سراہا جو واقعی سر اہنکے قبل ہی ہم نے کہا اچھا اب پسے دو۔

لیکن پھر ہم نیوہ بنیاں اور وزیر جامہ پھیلایا دیئے کہ یہ بیجتے۔

اب ہم نے سوچا کہ اگر یہ خود نہ بتاتا تو ہمارے اکیس تو مان گئے تھے۔

لہذا چودہ تو مان پر طے کر کے ٹائیوں کے ساتھ دونوں چیزیں بھی بندھو اور ریز گاری واپس لے کر پھر شکر یہ ادا کیا،
قاتیں کرام!

اب یہ چیزیں ہمارے پاس ہیں جن صاحب کا کراچی شہر میں ۳۸ نمبر سائز ہو، ہم سے آواز دے کر طلب کر لے۔

www.HallaGulla.com

حاجی بابا نے پوشک خویدی

پس اس مصیبت سے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے مول لیا تھا اپنا گرسان چھڑ کا و کر کے اپنے آپ کو مبارک دیتا ہے پھر پرانے کپڑے پہننے والوں کے بازار میں گیا پہلی دکان پر میں نے ایک جبہ دیکھا خیال سے کہ اس جمت سے بھی صاحب جبہ کی طرح خیال کیا جاؤں گا میں نے پوچھا کہ اسکی کیا قیمت ہے دو کاندار نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر پوچھا یہ سرخ جبہ میں نے کہا ہاں کس کے واسطے میں نے کہا کہنود میرے لئے بولا تو کتنے میں لے گا تجھے اس گودڑشاہی شکل میں اس جبہ سے کیا عرض یہ جبہ مخصوص بڑے لوگوں اور میرنشیبوں

کا ہے میں قریب قریب جلا کر دوکندار کے جھلاسر ہوئے کو تھا کہ اتنے میں ایک لال پرانے کپڑوں کی گھٹڑی لئے گزرا میں نے دوکاندار کو چھوڑ کر اسے آواز دی وہ آیا دوکندار اپنی بیہودگی سے پیشمان ہو کر تجھے بلانے لگا اس نے کئی آزاوازیں دی مگر میں نہ بولا دلال مجھے ایک مسجد کے والان میں گھٹڑی کھولی تو میں نے دیکھا کہ ایک کوٹ دیکھا بہت اچھا معلوم ہوا اس کی قیمت پوچھی دلال نے پہلے میرے سلیقے کی پھر عمدگی لباس کی تعریف کی اور قسم کھا کر کہا کہ یہ بادشاہ کے ایک خاص فراش کا ہے ایک دو مرتبہ سے زاہد نہیں پہننا گیا جب میں نے پہناتو مجھ پر شار ہونے لگا ما شا اللہ لباس کی آرائشگلی اور عمدگی کیا کہنا۔

تجھے اے کل قبا کیسی معلوم ہوتی ہے۔

میں نے چاہا کہ اس کی تزویفات کو رد کروں پھر میں ایک کشمیری شامل طلب کی اس نے شال نکالی باوجود ہزار سوراخوں میں رفو ہونے کے خدا کے ایک ہزار ناموں کی وسمیں کھائیں کہ یہ عزم شایہ کی ایک بیگم کا ہے بد لصیبی ہے اسے ستافروخت کروہی سے بیگم شاہ کی مثال ہونے کے غرور میں نے اسے اتنی قیمت میں خوید جتنی قیمت میں ایک مثال کرمائی خوید سکتا تھا خیبر رہ گیا تھا وہ بھی دلال نے دلایا جب میں نے اس طرح آراستہ ہو گیا تو دلال نے خوشنودی کا اظہار کیا اور قسم کھا کر کہا کہ آج طہران میں تیری طرح کوئی آراستہ نہیں۔

جب حساب کرنے کا وقت آیا تو معاملہ کی صورت بدل گئی دلال نے قسم کھا کر کہا کہ میں ٹھکانے کا آدمی ہوں وہ نہیں جو سو مالکیں اور پچاس لیں لہذا خدا ایک ہے بات بھی ایک ہے کوٹ کے پانچ تومان شال کے پندرہ تومان خیبر کے چار تومان۔۔۔۔۔ کل چوبیں تومان ہوئے چوبیں تومان کا نام سن کر تو میری ساری خوشی کا جوش جاتا رہا آپ کو علامت کر کے میں نے چاہا کہ تبدلی لباس کا خیالی کو چھوڑ دو لباس اتنا شروع کر دیا دلال نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تجھے گراں معلوم ہوتا ہے تجھے اس میں ایک کوڑی کا بھی نفع نہیں میں نے جو قیمت کہیں وہی اصل ہے اچھا تو کیا دینا چاہتا ہے میں نے کہا کہ تیری قسموں کے مقابلے میں کیا کہو کہ خدا کو بھی بھلامعلوم ہوا اچھا پانچ تومان دیتا ہوں دلال نے بے پرواہی سے قبول نہ کئے میں نے بھی انہیاً بے پرواہی سے لباس اتار دیا جب اس نے گھٹڑی باندھلی تو بظاہر ہر معاملہ ختم ہو گیا پھر میری طرف دیکھ کر بولا دوست تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ تیری خدمت کریں اور ایسی خدمت جو ایک بھائی دوسرے بھائی سے نہ کرتا ہو اب جو کچھ بھی ہو دس مان دیدے میں نے یہ قبول نہ کیا آخو کار بڑی گفتگو کے بعد چھ تومان ادا کئے اور ایک تومان کا اپنے لئے قبائل خود لیا بات ختم ہوئی اس نے مجھے چھوڑا میں نے خوید کروہ لباس ایک رومال میں پیٹ کر حمام کا راستہ لیا۔

www.HallaGulla.com

تاریخ کی گلیوں میں

ایک روز کان میں رکھ کے قلم نکلے تو موزہ مردم شماری کی راہ لی کہ سب سے قریب پڑتا تھا خیا
بان بو علی سینا کے پاس ایک چھوٹا سا کوچہ ہے اسکے اندر جائیں تو ایک چھوٹا سا میوزیم اسے بہت کم لوگ دیکھنے
جاتے ہیں لیکن یہ دیکھنے کی چیز اس میں گزشتہ صدی یعنی تا جقریوں کے عہد کے رہن سہن کی زندہ تصویریں ملتی
ہیں یہ ایک بڑھیا اماں کا چڑھر کھا ہے گرڈر اور موم کے قدم آدم بھئے زندہ معلوم ہوتے ہیں یہ اس دور کا گرجتائی
عہقان ہے یہ ارمی تاجریہ کر دی دہن یہ ملا درس دے رہا ہے لٹکے سہے بیٹھے ہیں اور چھڑی اب اٹھی کہ اٹھی
ادھر قاضی بیٹھا ہے اور اسکے سامنے ایک طرف وہ خدا یعنی زمیندار ہے او ایک دیاں خواب حال جو ایک ٹوکری میں

مندرلء انڈے اور پھل بھی لایا ہے گر قبول افتدر ہے غرور شرف جانے کیا مقدمہ ہے اور کیا فیصلہ ہونے کو ہے ایک طرف طبیب اپنی جڑی بوٹیاں اور دواوں کی شیشیاں سنبلے بیٹھا ہے ادھر ایک زرگرا میر کو دکھانے کے لئے زیورات کا پتارہ کھولے یہ اصفہان کے تاجر کا گھر ہے تھج میں ایک چوکی ہے اس پر ایک بہت بڑی رضائی جس کے چوا اطراف گھر کے چار افراد بیٹھے ہیں میاں بوی، اور دونپے سب نے ایک ایک پلوڈ بار کھا ہے ایک نیم تریک کمرہ میں قافلے کا سامان ہے ایک گھوڑا ہے جس پر سودا گرمیاں بیٹھے ہیں اور حلقے کی منہال منہ میں ہے ابھی ٹیٹھا را سمندر چلا دوسرا ٹوٹ ہے جس پر نوکر بیٹھا ہے جس نے مشکیزہ، کوئے کی ایسی یہی اور ناجdal کے پشتارے سننجال رکھے ہیں ایک خچر کے دونوں طرف کجادے ہیں ہر ایک میں ایک شخص آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہے یہ کوئی پابندی نہیں کہ سیٹ کے بند باندھے اور سگریٹ بھجا دینے مزے مزے میں کہاںیاں کہتے سیرد کیختے حقہ پیتے چلے جا رہے ہیں البتہ قرزاقوں کا رڈراتے میں ضرور ہے اور حاجی بابا اصفہانی کے عثمان آغا کا سفر یاد آتا ہے ہمارے مولوی محمد حسین آزاد بھی اسی عالم میں منزلیں طے کرتے ہوں گے ادھر اس کمرے میں پچھلی صدی کے قاچار بادشاہوں کی کچھ یادگاریں اور مرقعے ہیں گائیڈ نے ایک شیشے کے کیس کی طرف اشارہ کیا اس میں سب سے نام ورقا چارباشاہ ناصر الدین شاہ کی واسکٹ لفکی تھی جس میں گولی کا چھید تھا اور نیچے ایک رومال بھی رکھا تھا جس سے خوب بند کرنے کی کوشش کی گئی یہی ۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے اور خون کارنگ بدال کر سرخ سے میلا ہو گیا ہے اچھا تو یہ لوگ تھے جبروت اور قہرمانی کے اوتار محمد شاہ، ناصر علی شاہ آخوند آخوند۔

۷۲۷ء میں نادر شاہ افشار کے قتل کے بعد کچھ دنوں طواعف ملوکی رہی پھر زند خاندان نے بیس برس حکمران گی یہاں پہنچے لوگ تھے اور ان کا دامن آسودگی کا دور تھا لطف علی خاں زند کے زمانے میں ترکی قبیلے قاچار کے سردار آقا محمد نے شوش کی اور ایک لشکر جرار سے شہر کرمان کا محاصرہ کیا لطف علی خاں کے پاس اتنی فوج نہ تھی وہ اپنے اسپ پاؤ فا کو مہیز کر کے فقط تین منچلے ہمراہوں کے ساتھ دشمن کا لشکر کو چیرتا ہوا غاغنہ ہوا آقا محمد نے غصب ناک ہو کر قتل عام کا حکم دیا کہ باشندگان مان کی ستر ہزار آنکھیں نکال کر طشت میں پیش کی جائیں اس نے اپنے خنجر کی نوک سے خود ان آنکھوں کو گناہ کر وزیر سے کہا اگر ایک بھی کم ہوتی تو تمہاری آنکھ نکال کر گنتی پوری کرتا۔

طف علی خاں زند بھر بھی غریب آخوند فتار ہوا آقا محمد نے اپنی فتح کی یادگار میں طف علیخان کے سرفروش ساتھیوں کی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنایا۔

فتح علی شاہ آقا محمد کا بھتija تھا ایک روز اس نے سفارش کی کہ رعایا سے ذرا نمی برتنی چاہئے آقا محمد نے کہا بے وقوف رعایا کے ساتھ سختی سے پیش آنا ہی میری حکومت کی کامیابی کا راز ہے میرے خیال میں تو پورے دل گھروں میں ایک پولھا چاہئے تاکہ با آسانی اپنا کھانا بھی نہ پکا سکیں ورنہ کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور تیرے خلاف فساد پھیلائیں گے آقا محمد نے احتیاط اس طب اعزہ مر وادیے اس شخص نے نادر شاہ کی ہڈیاں نکلوائیں اور اپنے محل کی دہلیز کے نیچے دن کرائیں ایسوں کی موت بھی ایسیہو تی ہے ۷۲۹ء میں اس کے باڑی گارڈ کے دو افسروں میں جھگڑا ہوا آقا محمد نے ناراض ہو کر حکم دیا علی الصب دونوں قتل کر دئے جائیں لیکن رات کو اپنی ڈیوٹی دیتے رہیں ان دونوں نے اپنی جان سے امید ہو کر رات کو خواب گاہ میں گھس کر آقا محمد کا کام کر دیا۔

آقا محمد گئے اور فتح علی شاہ آئے یہ بھی کچھ کم نہیں تھے ان کے ایک بچے کچھ چھا صادق خاں نے بغاؤت کی تو یہ مجبور امید ان میں آئے لیکن ڈرپوک تھے بندوقوں کی آواز سے عش کھا کر گئے وزیر خوش تدبیر

حاجی ابراہیم نے بات بنائی کہ بادشاہ سلامت فرط غصب سے آپے میں نہیں قہر سلطانی کا سیلا بامڈے کو ہے ہتھیار ڈال دو تو چین ہی چین ہے بیچارے صادق خاں حاجی ابراہیم کی چوب زبانی سے متاثر ہو کر ہتھیار ڈال دیئے فتح علی شاہ نے اسے ایک جمرے میں بند کر دیا چند روز بعد دروازہ کھلوایا دیکھا کہ غریب بھوک سے عاجز ہو کر انگلیوں سے مٹی کھود کھو کر کھاتا رہا اور ہمیشہ کے لئے سیر ہو گیاں وزیر باخوش تدبیر کا حشر بھی سننے ایک روز فتح علی شاہ نے اس کے تمول اور اقتدار سے حسد کھا کر اسکی آنکھیں نکلوائی اور زبان گدی سے کھنچوائی فتح علی شاہ کی چار بوبیاں تھیں جن کی خدمت کے لئے پانچ سو خواجہ سراتھے ان بیکموں سے دوسرا سٹھ اولادیں ہوتی ڈیڑھ سو لڑکے ایک سو دس لڑکیاں فتح علی شاہ کے بعد ناصر الدین شاہ کا دور آتا ہے جس نے نصف صدی تک حکمران کی پدر اگر نہ تو اند پر تمام کندا سکے عہد میں لوگوں کو مغرب کی ترقیوں کی ہوا لگنی شروع ہوئی اور خواہ ایران میں مغربی طاقتلوں میں اقتدار کی جنگ کا آغاز ہوا یہ خود سیاحت یورپ کو گئے تھے اور آ کر ایران میں یورپ کے تمدن کی قلم لگانی چاہی لیکن آخواب سے متناسف ہوئے کہ اسے امرود کوسفر یورپ سے حکماروک دیا ان کے نزد یک ٹھیٹ ایرانی کھلانے کا مشخص وہی شخص تھا جو یہ نہ جانتا ہو بر سیز کوئی شہر یا ترکاری،

ناصر الدین شاد نے بابوی پر بہت ستم ڈھائے تیل میں ڈبوئی ہوئی رسیوں سے ان کو جکڑ کر آگ لگادی اور طہران کے گلی کوچوں میں ان کی تشہیر کی بے سر لاشیں سڑکوں پر عام پڑتی رہتیں۔

پھر طویلے کی طرف

فتح علی شوہ قاچار نے ایک بار کچھ اشعار نظر کئے اور ملک الشعرا سے ان پر روئے مانگی اشعار نہایت سچ پوج تھے اور ملک الشعرا نے اگرچہ اپنی رائے نہایت گول لچھے دار الفاظ میں پیش کی لیکن مطلب یہی نکلتا تھا کہ بس ایسے ہی ہیں بادشاہ نے بر فروختہ ہو کر کہا یہ گدھا ہے اسے طویلے میں لے جاؤ ملک الشعرا کچھ دن گھاس کھاتے رہے ایک روز پھر بادشاہ نے فلرخن کی اور ملک الشعرا کو بلا کر داد طلب کی شاعر صاحب بغیر کچھ کہے جانے کے ارادے سے اٹھے شاہ نے پوچھا کہاں بولے پھر طویلے جاتا ہوں۔ بادشاہ ہوں کیا ہے گا ہے بدشاہ می خلعت می رہند خوش ہو کر اس کامنہ مصری سے بھروادیا چار آنے کی مصری سے کام چل گیا پرانے لوگ موتیوں سے منہ بھروایا کرتے تھے بہت فضول خرچ تھے،

ایک بار سپائیوں کے ایک دستے نے تنخواہ نہ ملنے پر شورش کی اور اس وقت واپس آئے جبکہ ان سے عضو کا وعدہ کیا گیا اس وعدے کے باوجود ان میں سے پچاس سر برآ وادر اشخاص کو نہایت سفا کانہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہر ایک کے دانت اکھیڑ کر اس کے سر میں ہتھوڑے سے پیوست کئے گئے، پھر ایک بار یوں ہوا کہ طہران کے مالداروں نے گراں قیمت پر بیچنے کے لئے تمام غلہ خوید کر جمع کر لیا تھا لوگ بھوکے مرنے لگے ایک روز شاہ گھوڑے پر سوار آرہا تھا راستے میں عورتوں نے گھیر کر فریاد کی شاہ کو بہت غصہ آیا اور وہ حکم شہر کو بلا کر اس ہنگامے کے متعلق جواب طلب کیا پیشتر اس کے کہ وہ جواب دے شاہ نے حکم دیا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا جائے حکم شاہی کی تعییل ہوئی اور تمام شہر میں لاش کی تشہیر کے بعد تین دن تک وہ اس ستون سے لٹکی رہی جہاں

لوگوں کی گرد نیں ماری جاتی ہیں ساری جائیداد ضبط کر لی گئی۔

آخر روز یہ داغلہ نے ایسی ترکیب کی کہ سڑکیں شکایت کرنے والوں سے صاف ہو گئیں اس نے فراموش کو حکم دیا کہ آدمی درجن کان کٹ کر لاویہ سنتے ہی فراش لوگوں پر بھٹے کہ یا اپنے کان کٹوایو یا فوراً معقول معاوضہ تھوڑی دیر میں سڑکیں خالی ہو گئیں فرمودشوں نے اپنی جیسیں بھریں اور چند فقیروں کے کان کاٹ کر پیش کئے۔

شاہ بہت خوش ہوا اور کہا فخر مرزا تم اپر انیوں پر حکومت کرنا جانتے ہو۔

یہ بڑے کلے ٹھللے کے تاجدار تھے لیکن ہر فرعون رامو سے جب انہوں نے تمباکو کی پورین یہود فروخت کے حقوق ایک انگریزی کمپنی کے ہاتھ پہنچنے چاہیت تو سید جمال الدین افغانی کی تحریک پر علماء اسلام نے تمباکو کی ممانعت پر فتویٰ جاری کر دیا تمباکو فرمودشوں کی دکانیں بند ہو گئیں ایران کے زن و مرجن میں سے نوے فیصد رات دن حقہ پینے کے عادی تھے یک لخت اسے چھوڑ بیٹھے لوگوں نے حقے توڑتاڑ کے پھینک دہئے آخو شاہ کو معاہدہ منسوج کرنا پڑا اور پانچ لاکھ پونڈ ہر جانہ دینا پڑا۔

اب شاہ سید جمال الدین کی جان کے لاگو ہو گئے آخا نہوں نے درگاہ شاہ عبدالعظیم میں پناہ لی اور سات ماہ تک وہاں ہے۔

ناصر الدین شاہ نے ایران کی قومی روایت کو توڑ کر ان کو ایسے میں پکڑ منگوایا کہ بیمار تھے اور اٹھنے کے قابل نہ رہے تھے اس پر اشتعال پھیلا اور آخر کار شاہ کرایک جواں سال محب الوطن مرزا محمد رضا کر فرمائی کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اب مظفر الدین قاچار تخت پر بیٹھے لیکن اس عہدے سے ایران جدید اور آئینی اصلاحات کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔

سردار جی است سری اکال

ہم ابن سینا بک سیلر کی دکان پر کتابیں دیکھ رہے تھے کہ مالک د کان رمضانی صاحب نے بتایا دیکھنے ایک ہندوستانی آقا آپ سے ملنا چاہتے ہیں ہم گئے تو ایک صاحب خالد میاں دینی کے کتب فرمود تھے معلوم ہوا جرمنی جا رہے ہیں ہم نے کہا کیسے آنا ہوابولے ان کہ راستے مشہد ہوتا ہے بس سے آیا ہوں۔
کہاں ٹھرے ہیں۔
بو لے گرددارے ہیں۔

گرددادے میں کیسا؟ کیسا گرددارہ ہم پوچھ رہے ہیں طہران میں کہاں ٹھرے ہیں۔

بولے طہران ہی میں تو کہہ رہا ہوں گردوارے میں،
تب انہوں نے بتایا کہ یہاں خالصہ جی خاصی تعداد میں ہیں اور زیادہ تر موڑ کے پزوں کا کام کرتے
ہیں یہاں ان کا گردبھی ہے بلکہ میں جو زاہدان سے آیا ہوں انہی صاحبوں کے ساتھ آیا ہوں اچھے آدمی ہیں بس
خوابی یہ ہے کہ پنجابی راستے ہیں اور میں پنجابی سمجھتا نہیں۔
ہم نے کہا کہہ کہہ کچھ
ہم نے کہا کچھ کچھ کچھ
ہم نے کہا کہہ کہہ ملوائیے۔
بولے کہ آپ پنجابی سمجھ لیتے ہیں۔

ان کے ساتھ دروازے سے نکلے ہی تھے کہ تین سردار جی نظر پڑے ایک دکان سے فارسی بول بول
کر پچھل خود رہے تھے خالد میاں بولے اس کا پورا احاطہ موڑوں کے پزوں کی دکانوں کا تھا۔ یہیں زاہدان کی
وجہ تسمیہ معلوم ہوئی اس شہر کو پہلے زواب کہتے ہیں پہلی جنگ عظیم کے بعد جب وہاں ریل بنی شروع ہوئی تو
نگریزوں کا انتظام تھا اور وہ ادھر ہی سے لیبر بھرتی کر کے لے گئے تھے ان میں ایک بڑی تعداد سکھوں کی تھی
ریل تیار ہو گئی تو کچھ لوگ واپس آگئے کچھ نے وہی روزی کے ذریعے تلاش کر لئے اور آباد ہو گئے ایرانیوں نے جو
نوں کی وحی قطع دیکھی تو مرعوب ہو گئے کہ ہونہ ہو مولوی لوگ ہیں اور زاہد کہ سن کی سی داڑھیاں بڑھا رکھی ہیں پس
اس شہر کو زاہدان کا نام دیا زاہدان کے بازار سے گزرئے تو اب بھی دھوکا ہوتا ہے کہ پیٹیا لے کی کوئی تھیل
ہے زندہ دل اور وسع دار لوگ ہیں بولی ٹھوپی اور چال ڈھالی ہے ج کہ تھی رقی برابر فرق نہیں آیا۔

ایک پبلیشر صاحب ترجیح چھاپتے ہیں انہوں نے ایک مسودہ دراز سے نکال کر دکھایا مصنف کا
نام تھاخوشنٹ سکھ کی خوابی تھی گویا ایرانیوں نے سکھوں کو میمان تو رکھا لیکن ان کے سروں پر سینگ لگا
دئے اچھی قدر پہچانی۔

شیراز اور کنار آب رکنا باد وغیرہ

ان لوگوں پر خیر ہمیں رشک ت کبھی نہیں آیا تجھ بہیشہ ہوا ہے جو صحیح اٹھ بیٹھتے چرند پرند کی ا
وربات ہے انسانوں کا اتنے سویرے اٹھنا کبھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا صحیح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں لحاف کے اندر
جو مزے کی غناہی ہوتی ہے اس کا صحیح اٹھنے والے بے نصیب کیا جائیں وہ تو اس وقت جنگل میں داتین کاٹ
رہے ہوتے ہیں یا ٹھرٹھر کرتے لارس باغ کے چکر صحیح اٹھنے کے فضائل ہم نے بھی پڑے ہیں لیکن صحیح خیزوں میں
سے کچھ کو تو نمودنی یا بگڑے زکام سیرتے دیکھا باتی کی عمریں بھی ہماری چال کے سست اور وجہوں سے زیادہ بھی

پس ہم نے رات ہی کو پھول کے نوکروں کو وصیت کر دی کہ بھائی صحیح پانچ بجے جگا دینا ہم شیراز جائیں گے سبھی نے چشم کہہ کر سینے پر ہاتھ رکھے اور واقعی سب کے سب علی اصح ہمارے دروازے کے سامنے ڈف بستہ کھڑے تھے کھڑکی سے باہر دیکھا تو ابھی کالی رات تھی حتیٰ کہ مرغ بھی جن کو ہانگ دینے کے لئے اٹھنا چاہئے تھا خواب خوگوش کے مزے لے رہے تھے لمبی سی آہ بھر کراٹھے۔

شیراز کا ہوائی اڈھ بس نہما مناسا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیراز کی دھرتی پر قدم رکھنے ہی اس کی قدامت و عظمت کا احساس شروع ہو جاتا ہے افسوس کہ موسم خزاں کا تھانہ پھول نہ پات یہ یقین ہی نہیں آتا کہ وہ شہر ہے جس کے گل و گلزار کی تاریخ سبھی کرتے ہیں ہمارے ساتھ کچھ امریکین ٹورست بھی تھے معلوم نہیں ان لوگوں کو یہاں کیا ملتا ہے نہ زبان سے علاقہ نہ ادب و تہذیب سے نسبت ایک کیمرہ شگایا میم کو ساتھ لیا جہاں کی تعریف سنی ادھر سدھار لئے ہمارے ساتھ سامان کا گھر اک نہ تھا بس سواری کی تلاش تھی یہ بھی نہ معلوم تھا کہ شہر کتنی دور ہے اتنے میں ایک صاحب نے کہا کہاں جانا ہے۔

لجبھ ایرانی لیکن زبان اردو نما
شہر جائیے گا۔ وہ پھر بولے

ہاں

بولئے چلو ہم اپنے دوست کو ڈھونڈھتا ہے یہ لے جائے گا کہاں جائے گا۔ کہاں جائے گا۔؟ ہم نے کہا کہ ڈمنس پر پہنچ کر ڈبس پر پہنچ کے ہوٹل کی سوچیں گے کہ کہاں ٹھریں کے تھے عمر تین سال سے کم ہو گی باپ پاکستانی یا ہندوستانی، ماں ایرانی تھیں اردو ٹوٹی پھوٹی اس لئے بولتے تھے کہ وہ تین سال کراچی میں ایران کے دفتر میں کسی معمولی خدمت پر رہ چکے تھے۔

یہاں رہ کر یہ تجربہ ہوا کہ اگر کوئی تو کون میں خواہ مخواہ قسم کا آدمی نقچ میں تپک پڑے اور کسی کی سفارش کرے تو بالعموم وہ آنے والی رقم میں حصے دار ہوتا ہے۔

شہر بہت نزدیک تھا ہم نے کہا ایرنج میاں کتنے پیسے اس کو دوں بولے پانچ تو مان دیدو، بعد ازاں معلوم ہوا کہ شیراز میں شہر کے اس سے سرے تک کہیں چلے جاؤ فقط پانچ رویاں دینے ہوتے ہیں جو پانچ تو مان کا دسوال حصہ ہے یہی زیادہ دو تو مان دینے چاہئے تھے بہر حال اسے ہم نے اپنی کی محنت کا جائز معاوضہ سمجھا ڈمینس پر ایک مختنی سا ٹکر بیٹھا تھا جو کچھ بھی ہیں بتا سکتا تھا یا اس ہی سینکڑوں لیل ایجنسی تھی شیراز اور اصفہان میں اور جگہ بھی ہر کام یہی ایجنسی ٹورست بورو کا کام بھی کرنی ہیں اور ہوا پیانی ایران کے نکٹ دینے کا بھی ان سے ہوٹل کی کرتے کرتے معلوم ہوا کہ گر شب بھر قیام کرنے کی بجائے ایچی سے ٹیکسی لے کر آغاز کر دیں تو تمام مقام دیکھے جاسکتے ہیں مسجد و کیل حافظ و سعدی کے مزار دروازہ قرآن وغیرہ تو شہری میں ہیں میوزیم بند ہے سوال فقط تخت جمشید کا رہ جاتا ہے جو ساتھ ستر میل کی مسافت ہے اور میکڈوں لیل ایجنسی والوں نے کرایے کالمباقوڑا حساب بتایا جو امریکیوں کے حساب سے ٹھیک ہو گا پھر وہ اصرار کر رہے تھے کہ پہلے تخت جمشید جاؤ شہر میں کیا دھرا ہے ادھر اپنادل تھا کہ حافظ اور سعدی میں لٹکا تھا لہذا ہم نے ٹیکسی کی اور سیدھے مزار حافظ کا راستہ لیا کہ وہی پہلے پڑتا ہے۔

حافظ کے احاطے میں دیکھا کہ جا بجا لوگوں کی ٹولیاں بیٹھی ہیں اور ایک کونے میں کوئی شخص ٹیپ ریکارڈر لئے کوئی پروگرام ریکارڈ کر رہا ہے اب تھی کرسی پر مزار ہے لیکن مزار کے گرد کوئی جالی یا پرده نہیں ہے کہ اندر اطمینان سے بیٹھ کے کوئی فاتحہ پڑھ سکے یہاں فال کے لئے دیوان کا ایک نسخہ رکھا رہتا ہے ہمیں نظر نہ آیا لڑکے لڑکیاں تفریح کے موڑ میں گھوم رہتے تھے ہم نے دور ہی سے فاتحہ پڑھی اور نیکسی والے سے کہا چلواب سعدی کے مقبرے

مرزا شیخ کے احاطے کے پھانک پر وہی یہ شعر رقم تھا۔

زخاک سعدی زیرا زبونے عشق آید

ہزار سال پس از مرگ آوا گر بویم

احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی طبیعت ایک عجیب سرور سے آشنا ہوئی یوں لگتا تھا کہ ذرہ ذرہ نہایت سادہ ہے دور ایک کارڈیو کے سرے پر بہت مختصر سا گنبد ہے جس کے چاروں طرف جالیاں اندر مزار ہے بہت سی عورتیں مزار کو بوسے دے رہی تھی معلوم ہوا متنیں بھی مانی جاتی ہیں ایک طرف خدمت گارڈ کھڑا تھا اور کسی عقیدت مند خشنودی کی لکھی ہوئی گلستان کی ایک حکایت اور بوستان کی ایک نظم دیوار پر آویزاں تھی جب مزار سے عورتیں رخصت ہوئیں ہم فاتحہ کے لئے بڑھے لیکن جانے کیا ہوا معاجمی بھر آیا اور ہم نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاپ روای تھا جتنا ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے سیلاپ اور امداد تھا فاتحہ بہت طویل ہو گئی ہم نہیں چاہتے تھے کہ محافظہ ہماری کیفیت دیکھے جانے کتنے عالم کے آگے آئے وہ دن جب ہم نے اپنے گاؤں میں گلستان کے درس کا آغاز کیا ہمیں یاد ہے کہ درباب شاہاں سے ہمارا درس شروع ہوا تھا اور زندت نام فرخ نوشیز اس والی حکایت پہلی تھی پھر قافلہ زرداں برس کو ہے بوند نہ یاد آئی ہم نے سعدی کو ہمیشہ اپنارفیق اور دوست سمجھا اور شاید یہ داخلی رفاقت اور دوستی تھی جس سے یہ حال ہوا بار بار خیال آتا تھا یہی نواح ہوئے جن میں ہمارا شیخ سیر کرتا تھا گھومتا پھرتا تھا اور پھر لوگ یہاں اس کا جنازہ لائے ہوں گے یہ وہی سعدی ہے وہی شیراز ہے یعنی وہی پہنچائی ہے جس سے بچپن سے فائدہ آشنا ہے یقین نہ آتا تھا۔

شیخ کے مزار سے رخصت ہونے کو جی نہ چاہتا تھا اُنھیں تھے اور بیٹھ جاتے تھے حافظ کے مزار پر قطعاً یہ کیفیت نہ تھی وہاں ہم خالی گئے خالی آئے یاد گار کے لئے ہم نے کیا ریوں پر نظر ڈالی صاحب گلستانِ خٹ پن میں گلاب کا کوئی پھول اس وقت نظر نی آیا ناچار گل ڈسبرگ کا ایک غنچہ نو شگفتہ لیا اور جیب میں رکھ لیا شیخ کی یہ یاد گار ایک متعال عزیز کی طرح ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

اگلی منزل تھی مسجد و کیل

نماشہ کے قتل کے بعد شیراز میں کریم خان زندگی حکومت رہی جو اپنی نیک نفسی اور رعایا اور سستی کے لئے مشہور تھا اس نے با دشہ کا لقب اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور خود کیل رعایا، ہی کہا اس کے عہد میں شیراز کے بھاگ کھلے اور یہ مسجد بھی اس کی یاد گار ہے جس کی ٹالیں بہت خوبصورت ہیں ساتھ ہی مشہور بازار وکیل ہے۔ قوہاں سے ٹیکسی لی اور دروازہ قرآن دیکھا ایک زمانے میں شیراز کے گرد فضیل اور دروازے تھے جن میں فقط یہی باقی ہے اس کا نام قرآن دروازہ اس لئے کہ اس کے اوپر برکت کے لئے قرآن مجید کا ایک نسخہ رکھا رہتا تھا جو اب طہران کے عجائب گھر میں ہے اصفہان اور تخت جمشید سے آنے والی شاہراہ اسی دروازے کے پچھے سے

ابھی شاید بارہ کا عمل تھا اور تخت باقی تھا اصفہان کا جہاز چار بجے اڑ جاتا تھا اور ساڑھے تین بجے تک واپس ہوئی اڈے پر پہنچا ضروری تھا ہم نے ایک سالم ٹیکسی روکی اس نے پندرہ تو مان کے ہم نے دس آکو مار بارہ طے ہو گئے ڈرائیور کا نام مصور تھا اور اس نے سعوی کیا مجھے تھوڑی سی انگریزی بھی آئی تھی یہ دعویٰ اس کے ہنمام منصور کے دعویٰ اناخت سے بھی زیادہ مبالغہ آمیز تھا کیونکہ اصل میں اسے صرف ایک لفظ آتا تھا لیں اور وہ اسے مسلسل اور متواتر استعمال کرنے پر مصر تھا ہم فارسی میں لمبی چوڑی گفتگو کرتے تھے اور وہ میں کہہ کر فارغ ہو جاتا تھا گفتگو کم و بیش ہوں ہو رہی تھی۔

سوال فارسی میں میاں منصور تم شیراز کے رہنے والے ہو یا باہر کے جواب۔ میں

سوال۔ یہاں سے اصفہان کے کوس پر ہے۔

جواب۔ میں

سوال۔ ہمارا جہاز تین بجے روانہ ہوتا تھا یا چار بجے۔

جواب۔ میں

آخر ہم نے نہایت عاجزی سے کہا کہ ہم انگریزی نہیں سمجھتے فارسی میں گفتگو کرو۔

بہر حال انگریزی کسی بھی ہو ٹیکسی منصور کی اچھی تھی اور خوب چلتی تھی شیراز کے نواحیات میں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اور چڑھیاں اور اترائیاں بہت ہیں ٹریفک بہت کم رستے میں ہم نے پوچھا افسوس رکنا باد نہیں دیکھا نہ مصلی کی زیارت ہوئی اس وقت ہم ایک نالے کے پاس سے گزر رہے تھے منصور نے کہا آقا یہی رکنا باد ہے یہ ایک سوکھانالہ تھا حافظ صاحب یہیں سیر کر کے خوش ہو جاتے ہوں گے مصلی تو خوب چلے گے ہو گی ہم نے کہا بولے یہ جگہ مصلی ہی تو ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں گلگشت کا کیا سوال تھا خاک اڑتی تھی لیکن منصور نے کہا بہار کے موسم میں آئیے اور سبزے کی بہار دیکھی یہ موسم شیراز دیکھنے کا نہیں ہے۔

گھاٹیاں آتی تھیں ہر بار یہ خیال ہوتا تھا ب تخت جمشید آیا کہ لیکن وہ دور تر ہوتا جاتا ہے راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں آیا پھر وہی ویران پر پیچ و نشیب و فراز آخو بچپن ساٹھ میل جانے کے بعد افق پر دارا کے محل کے بیناروں کی تحریر نظر آئی۔ آخو آگیا نہ تخت جمشید۔

Virtual Home
for Real People

ابن بطوطة لکھتا ہے

شیراز کی آبادی بہت پرانی ہے باغات آب و تاب کے اور نہریں بڑی موج زن ہیں بازار نہایت اعلیٰ ہیں پیشہ والے ایک بازار میں ہے دوسرے میں نہیں باشندے نہایت خوبصورت اور خوش بوشاک، شہر کے اندر جو کہ پانچ نہریں نکلی ہیں ایک نہر کا نام رکنا باد ہے جس کا پانی نہایت شیریں، گرمیوں میں نہایت ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم۔

سب سے بڑی مسجد مسجد عتیق ہے اس کے شمالی دروازے باب حسن سے پھل پھلاری بازار کو رستہ جاتا ہے یہ نہایت عجیب ہے۔

عورتیں سب موزے پہنچتی ہیں اور اس طرح اوڑھ لپیٹ کر اور بر قع پہن کر نکلتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلاندے ہے ہر کیسا تھے میں گرمی سے بچاؤ کے لئے بنکھا ہوتا ہے میں نے عورتوں کا کسی شہر میں ایسا بھج نہیں دیکھا شیخ سعدی کی خانقاہ نہر رکنا باد کنارے ہے اور اس میں نہایت اعلیٰ باغ ہے شیخ نے سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے والوں کے لئے بوائے لوگ زیارت کو آتے ہیں خانقاہ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور اس نہر میں کپڑے دھوتے ہیں۔

(ابن بطوطة شیخ سعدی کی وفات کے تین پینتیس برس کے اندر شیراز جاتا ہے حافظ کا زمانہ اس کے نصف صدی بعد کا زمانہ ہے)

تحت جمشید کے خوابوں میں

سماڑھے بارہ نجح رہے ہیں اور دھوپ خاصی تیز ہو گئی ہے ورائے اعظم کا شہر غدار سامنے ہے حد نظر تک محلوں کے خوابے اور ستونوں کی قطار نظر آتی ہیں ڈھائی ہزار سال پہلے تیسرے دارا اور سکندر اعظم کی فوجوں کا پیدھ ہوا تھا اور دارا زخمی ہو کر اسی جگہ کھیت رہا تھا جہاں اب پیپسی کولا کا اسٹائل ہے پیپسی کولا تو ایک طرف اس وقت اس غریب کے منہ میں کوئی پانی چوانے والا بھی نہ تھا یہ جو امریکی ایمبولینس یہاں کھڑی ہے بہت بعد میں پہنچی اور شیراز کا مشہور نمازی ہسپتال بھی کوئی ڈھائی ہزار سال دیر سے بنا۔

دارا سے بھی ہماری ملاقات پرنی ہے اس زمانہ میں ہم اسکول کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھتے تھے اسکندر کے ہاتھوں دارا کی شکست اور بتاہی کا حال پڑھ کر چند اس فسوس نہ ہوتا کیونکہ اسکندر اعظم کو ہم مسلمان سمجھتے تھے۔۔۔ اسکندر اعظم پر ہی کیا موقوف ہے جتنے ناموں میں ف، ق، غ، ظ آئیں وہ ہندو تو بہر حوال نہیں ہو سکتے مثلاً فیلقوس۔ ارسٹو، افلاطون، عیشا غوث سقراط، بقراط، اور ان دنوں ہمارے نزدیک قومیں فقط دو تھیں ہندو اور مسلمان سر اسکندر حیات خال ان دنوں ہمارے صوبہ کے وزیر اعظم تھے اور اسکندر اعظم اور اسکندر روز یہ اعظم میں کوئی ایسا مبارکہ چوری افراد نہیں بلکہ ہمیں افسوس ہوتا تھا کہ اسکندر دریائے بیاس کے مغربی کنارے سے کیوں لوٹ گیا ہمارا گاؤں بیاس کے مشرق میں کوئی زیادہ دور تھوڑی تھا اے آمدنت باعث آبادی ماسویہ ہے تخت جمشید جسے یورپ والے پری پوس کہتے ہیں ہوا یہ تھا کہ کچھ عرصہ پہلے فارس والوں نے یونان پر حملہ کر کے ایضاً نہیں کریں اسکندر اعظم کی ایضاً سے ایضاً بجا سی تھی جو اسکندر اعظم نے پری پوس کا تیا پانچا کر دیا تھا لیکن اس کو بھی یونان زندہ والپس پہنچنا نصیب نہ ہے اور اسکندر دونوں کا انجام بخیر ہوا اور تازہ ترین صور تحال یہ ہے کہ اس کری پوس اور پری پوس دونوں کے دیوان خانوں اور زنان خانوں میں ٹورست لوگ جو توں سمیت، کیمروں اور ٹریولر چیکوں سے مسح دندناتے پھرتے ہیں یہ جو چٹانوں کا سلسلہ تخت جمشید کے پس منظر میں کوہ رحمت کھلاتا ہے تخت جمشید کو تخت جمشید کیوں کہتے ہیں کوہ رحمت میں رحمت کی کیا بات ہے اور وہ جو ہم نقش رسم دیکھنے جائیں گے اس سے رسم کا کیا تعلق ہے یہ کوئی نہیں بتا سکا یہیں کہیں تخت جمشید سے سو سال پہلے سیر و سلطنت کا بنا کردہ شہر پازگار تھا اور انہی نواحی میں اصطخر کی آبادی تھی تو عہد اسلام میں کئی مشہور رہا اب یہ تیوں شہر محض خواب ہے۔۔۔

یہ شہر کھائی کس کی نظر کسے معلوم

اچھا تو میاں منصور تم اپنی ٹیکسی یہیں پارک کرو اور آتا ہے دو کاندار ذرا ایک پیسی کھولنا میاں منصور تم بھی پیو یہاں کوئی گھنٹہ بھر ٹھہرنا ہو گا بلیط؟ اچھا صاحب آپ بھی دس روپاں لیجئے اور ٹکٹ عنایت فرمائیے خلیلِ موم خلیلِ موم،

کھنڈرات کی کرسی زمین سے کوئی تمیں چالیس فٹ اوپنی ہے اور اس پر چڑھنے کے لئے چوڑی سیڑھیوں کا سلسلہ ہے ان سیڑھیوں پر گھوڑے مع سواروں کے ٹاپیں مارتے چڑھتے تھے لیجنے اب مسطح میدان ہے بہت سے محلوں میں تو میناروں کے فقط ٹھنڈھ باتی ہیں لیکن بعض منارے اب بھی آسمان سے باقی کرتے نظر آتے ہیں دیواریں کئی کئی فٹ تک قائم ہیں اور دروازے تو اکثر جگہ ڈھائی ہزار سال سے یونہی کھڑے ہیں اور ان کی نقاشیوں کا جلال قائم ہے کہیں شیروں کے مجسمے ہیں کہیں بیلوں کے بت یہاں حمام تھا یہاں دیوان خاص تھا اب آپ دھوپ کی پرواہ کرتے ہوئے چلتے محلوں کی وسعت سے نہ گھبرائے آخر بنانے والے اپنے پرانے زمانے کے جہاں پناہ تھے اس زمانے میں آپ کو کون یہاں گھستے دیتا وہ تو انسیا ہوں کی بڑیاں بھی گل گٹیں جنہوں نے اپنے ناموں کو دوام عطا کرنے کے لئے انہیں مختلف دروازوں اور محرابوں پر ٹھیکریوں سے کندہ کر دیا ہے کوئی کتبہ جرمن میں ہے کوئی فرخ میں ایک ۱۸۹۶ء کا ہے نیو پارک ٹائمز کے نامہ نگار کا ایک کی تاریخ ۱۸۵۸ء ہے ایک ۱۸۳۶ء کا بھی صحنوں، صحنوں ایوانوں میں سے گزرتے ہوئے ایک میوزیم میں پہنچتے ہیں چھوٹا سا میوزیم ہے کیونکہ یہاں کے آثار کچھ اطہر ان کے موزہ ایران پاکستان میں چلے گئے کچھ اپنے آبا کی کتابوں کی طرح لندن اور پیرس میں تخت جمشید کے میوزیم میں زیادہ تر چھوٹے بڑے مٹکے مٹکیاں ہیں جلی ہوئی

لکڑی کے سچھلکڑے بھی کیونکہ آخوسار محل آگ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

تحت جمشید میں سب سے رفع الشان تو دارا کا ہے دوسرے نمبر پر اس کے جانشیں خوشاس اول کا صدستوں محل اس کا نام پادانا ہے جس کو دراویش (دارا) اول نے شروع کیا اور اس کے بیٹے نے مکمل کیا یاد رہے کہ اسکندر سے لڑنے ہوئے جو شہنشاہ مارا گیا وہ دارا نام کا تیسرا بادشاہ تھا اسی طرح کئی بہرام ہوئے ہیں اور کئی خوشان اپادانا کے تیرہ ستون ابھی باقی ہیں اور محل کے مشرقی زینے پر شاہ معظم کی خدمت میں ۲۸ قوموں کے لوگوں کو نزیریں لاتے دکھایا گیا ہے اس کے پہلو میں دارا کا پرائیویٹ محل ہے جو تکارا کھلاتا ہے اور اس کے دروازے پر شاہ کے ایک عفریت سے لڑنے اور اس سے سر میں توار بھونکنے کی تصویر ہر قسم ہے بادشاہ کی داڑھی اور کپڑوں میں جواہر لکھے ہوئے تھے اب فقط سوراخ باقی ہے اس طرح ایک بھی خل خوشاس اول کا بھی پھر ایک محلہ کا محل جس میں خدام اور لوڈیوں کیلئے حجرے ہیں جو عمارت میوزیم کی ہیں وہ پہلے استقبال گاہ تھی نقش و ستم تخت جمشید سے چارچھ میل آگے ہے ہم نے جی میں سوچ لیا تھا کہ وہاں جانے کے دو چار تو مان ڈرائیور کو اور دے دیں گے ہم نے کہا میاں منصور چلو نقش رستم کے نقوز تو سڑک پر ہی نظر آجاتے ہیں باقی رہے دیوار میں بننے ہوئے حجروں میں تابوت ان کو دیکھنے میں پانچ دس منٹ لگیں گے ان حجروں کے دہانے سڑک سے کوئی سو منٹ سے زیادہ اوپر انجام پوہول گے پرانی تحریروں کے مطابق وہاں تک رسول سے چڑھتے تھے تابوت بھی یونہی کھنچ گے تھے اب ایک تنگ گول زینہ لو ہے کا کگا دیا گیا ہے نیچے اوپر بہت سے بچے جمع تھے ان کی طبیعت خوش طبعی پر مائل ہوئی تو انہوں نے چھڑ کر کوئی شروع کر دی بعض کے تمض، شلوار، سے ہمیں شبہ ہوا اور ہم نے پوچھا کیا تم لوگ پاکستانی یا ہندوستانی ہو معلوم ہوا نہیں خراسان اور مازنداں کے ہیں ان مقبروں اور تابوتوں کا حصہ بہت تنگ و تاریک ہے پہاڑ کو اندر سے کھود کر بنایا گیا ہے باہر سڑک کے رخ کی تصویریں اور کتبے ساسانی بادشاہ ارد شیر کے ہیں یعنی تیسرا صدی عیسوی کے ایک جگہ بہرام دربار لگائے ہوئے ہے ان تابوتوں میں ایک تو داریوش اول کا بیان کیا جاتا ہے دوسروں کے متعلق قیاسات اور اختلافات ہیں۔ لیجھے صاحب جو شہر صدیوں میں بے اور اسکندر کو آکر ڈھانے پڑنے ہیم نے ڈھائی گھنٹے میں اب پھر ہم تھے اور شیراز کی سڑک جس پر منصور کی ٹیکسی ساٹھ میل کی رفتار سے فرائی بھرتی جا رہی تھی ہم نے اپنے جی بی جی میں حساب جوڑا بارہ تو مان تخت جمشید تک اور جیسا کہ رستے میں طے ہو گیا تھا دس تو مان واپسی کے تک ۲۲ نقش رستم تک جانے کے دو تین چار پانچ سمجھ لیجھے شہر سے ہواںی اڈہ دور نہیں دو تین اس کے بھی گویا تیس تو مان چلنے منصور بھی خوش ہو جائے گا لیکن۔

مادرچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

تحت جمشید سے واپسی پر شیراز کی سڑک پر فرائی بھرتے ہوئے حافظ سعدی کے ذکر لطیف میں بات سے بات نکلتے ہوئے منصور نے کہا۔

آپ مجھے کتنے پیسے دیں گے۔

ہم نے کہا بادر ر بجان برابر کوئی بے اختیاری ہے کیا تمہیں خوش کر دیں گے۔

بولے نہیں یہ بات نہیں یہ ٹیکسی ہی آپ کی ہے آئینہ جب بھی جناب عالی

شیراز تشریف لا میں تو اس خانہ زاد منصور کو یاد رکھیں اس ناجیز کت ہوتے کسی اور سے آپ خدمت لیں گے تو میرا دل توڑیں گے۔

ہم نے کہا وہ یہ کبھی ہو سکتا ہے۔

دروازہ قرآن سے ہم نے گزر کر ہم نے کہا ابھی خاصا وقت ہے ذرا شہر کے اندر لے لو سی سر سبز خیابان سے ہو کر چلیں اب تک تو جاڑا ہوں میں سے گزرے ہیں۔

بولے آپ نے خیابانِ کریم خاں زند تو دیکھی؟
ہم نے کہا وہ تو صدر بازار ہے وہ تو دیکھا۔
بولے بس ویسی ہی اور سڑکیں سمجھئے،
معلوم ہوتا تھا کہ ان کو ہوائی اڈے پر پہنچنے کی جلدی ہم سے زیادہ ہے ایئر پورٹ پر پہنچ کر ہم نے بائیس
یا پچیس کی بجائے جوان کا حق ہوتا تھا تیس تو مان منصور صاحب کی مٹھی میں دے دیئے۔
ہم نے کہایہ تیس ہیں اتنے تو میں نہیں لوں گا۔

ہم نے کہا لے لو۔ لے لو، ہم کوئی بطور بخشش یا انعام تھوڑا ہی زیادہ دے رہے ہیں تو ان پانچ تو مان کر
ہمارا دوستانہ سمجھ کر قبول کرو تکلف نہیں کیا کرتے۔

لیکن منصور صاحب ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ جناب پینتیس سے ایک تو مان کم نہ لوں گا۔

پینتیس؟ وہ کیسے ہم نے پوچھا ۱۰+۱۲ تو ۲۲ بنے تھوڑا اور لگا لو۔ ۲۵ ہو گئے

چلوے ۲۶ سبی لیکن ۳۵ کیسے؟

بہت سی فارسی بول کر فرمایا حساب کو چھوڑیے پینتیس ہی ہوتے ہیں۔ ہم ٹیکسی سے نکل چکے تھے لیکن وہ بھلا
مانس جو تھوڑی دیر پہلے تک خانہ زار بنتا تھا رستہ روک کر کھڑا ہو گیا جناب پینتیس دیکھ پینتیس۔
اب ہوائی اڈے کے حمال اور دوسرے بے فکرے تماشائی آن جمع ہوان سے فریاد یا استغاثہ کیا کرتے منصور ہم
سے اچھی اور تیز فارسی بولتا تھا ممکن ہے مقدمہ جیت بھی جاتے لیکن اصفہان کا جہاز ضرور چھوٹ جاتا۔
پس تم نے کہا لو میاں ۳۵ تو مان قربانت شوم تم تو کہتے تھے ٹیکسی آپ
کی ہے۔

منصور نے نہ ہمارے سلام کا جواب دیا نہ کوئی اور بات کی ٹیکسی لے یہ
جاوہ جا۔

اصفہان و اصفہانیات

جہاز پیچھے سے ایک گھنٹہ لیٹ آیا تھا لہذا اصفہان پہنچتے پہنچتے خاصا جھٹ پٹا ہو گیا تھا اور سردی بھی یہاں شیراز
سے بہت زیادہ تھی زیادہ بھی ایسی کہ ہڈیوں میں گھر کرنے لگی ہوائی اڈے پر ہی میکڈولیں ایجنسی والوں سے
پوچھا کہ آپ کسی ہوٹل میں جگہ دلا سکتے ہیں؟
بولے شہر میں بے شمار ہوٹل ہیں دلکھ لیجئے گا۔

ٹیکسی والے سے کہا میاں چلو شہر کسی ہوٹل میں پہنچاؤ،

شہر کی بڑی سڑک خیابان چہار باغ کے درویسہ ہوٹل تھے لیکن زیادہ ترا یہ جیسے صدر کے علاقے میں درمیانے اور
دوسرے درجے کے ہوٹل ہیں ایک جگہ ٹیکسی روک کر پوچھا بولے ہمارے ہاں جگہ نہیں دوسرا تجھے پہنچتے ہی ایک
بیرے نے منہ کو عجب بد تینیزی سے گھما کر کہا نو،
ہم نے پھر پھر کہا،

جواب ملا۔ نو۔

گویا یہ شخص منصور کا جواب تھا اسے لیں کے علاوہ کچھ نہ آتا تھا یہ نو سے آگے نہیں جانتے ہم نے کہا بھلے مانس
اگر جگہ نہیں تو زبردستی تھوڑی ہے جواب تو ذرا تینیز سے دو۔

بہت ہی نیک نہار آدمی نکلا ایک لفظ اور بولا سوری تین چار جگہ بھٹکنے کے بعد ہم نے کھاڑا رائیور سے کھامیاں اب تم پھر میکڈول ایچسی کے شہر والے دفتر میں چلو۔

اپنی کمی خیزی کے میخ نے فون کر کے پوچھا اور بتایا ایران تور میں ایک کمرہ ہے تو لیکن صرف ایک رات کے لئے۔ ایک تو تخت جشید کے کھنڈروں میں دن بھر گھونمنے کی ختنگی پھر سردی سوانے آرام کے کسی شے کو جی چاہا یہ ہوئی اعلیٰ درجے کا ہوئی تھا اور زیادہ تر یہاں بھی یورپین بھرے تھے ہوئی کیا ہے بھول بھلیاں کار یڈیو میں سے کار ریڈیو نکلتی گئی ہے اور آخوی سرے پر اوپر ہمارا کمرہ تھا جس کا راستہ کئی بار ہم بھولے اور کمرہ بھی کیا کوکی سی اندر کفن کے سرکرے ہے تو باہر کفن کے پاؤں تکی مثال بمشکل جسم سیدھا کرنے کی گنجائش تھی لحاف وغیرہ بھی واجبی ساتھا طہران میں بھی ہیئتراستعمال کرنے کا جی نہ چاہتا تھا یہاں ہیٹر بھی لگایا بلکہ ایک سے کام نہ چلا تو سعلیٰ اصح اٹھ ہاتھ منہ دھو ہم نے ناشتہ کیا اور شہر اصفہان کا نقشہ ہاتھ میں لے ٹھلتے ٹھلتے چل نکلے اصفہان بنانے والوں نے ٹورسٹوں کی آسانی کے لئے تمام قابل دید مقامات کو ایک جگہ پرجمع کر دیا ہے چار مشہور مقامات تو میدان شاہ کے (جسے میدان نقش جہاں بھی کہتے ہیں) چاروں یاز ووں پر ہیں ادھر جائیے اور داہنے ہاتھ مڑیتے تو وسط میں عالی قاپو دوسرے بازو میں مسجد شاہ تیسرے میں مسجد شیخ لطف اللہ اور چوتھی سمت میں مشہور پرانا بازار عالی قاپو کی پشت پر مخلص چهل ستون ہے جامع مسجد البنت ذرا دور پڑے گی اور مینار لرزائی اور زلفہ بھی شہر سے باہر ہیں اب رہے اصفہان کے مشہور پل تو ایک پر سے آپ ابھی آئے ہیں ہوائی اڈے کی سڑک اسی پر سے گزرتی ہے اور دوسری اس کے پہلو میں جاتے ہوئے دیکھ لیجئے گا۔

سو یہ اصفہان نصف جہاں شاہ عباس صفوی کے زمانے میں جو اکبر کا ہم عصر تھا اس شہر کی عظمت کا یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ سارے یورپ اور مشرقی و سطی میں اسکی ٹکر کا کوئی شہر نہ تھا اس وقت آبادی پانچ لاکھ ہے اسوقت دس لاکھ تھی۔

لیکن یہاں دلی لاہور کا سائبھیر کا کہیں نہیں ہے آبادی بہت چھدری ہے حتیٰ کہ بازار میں بھی جہاں کھوے سے کھوا چھلنا چاہیئے تھا ٹانوں آدمی نظر آتا ہے حاجی بابا کے زمانے کے ان اونچے نیچے جھتھے ہوئے کوچوں کو چھوڑ خڑپس ان ہم ابھی جائیں گے باقی سڑکیں کھلی کھلی ہیں مرکزی سڑک خیاباں چہار باغ اتنی کھلی ہے کہ مرکزی سڑک خیاباں چہار باغ اتنی کھلی ہے کہ نیچے نیں درخت ہیں دور رویہ گاڑیوں کی گزر گاہ اور پھر فٹ پاٹھ کھلی کے علاوہ نکلے کی طرح سیدھی بھی تھوڑی دور جا کر ایک عظیم محراب اور نما عمارت نظر آئی یہ مدرسہ چہار باغ تھا ہمارے بہاولپور کی طرح جس کے ریلوے اسٹیشن پر بھی قبیلے ہیں اصفہان کی ہر پرانی عمارت پر سب سے پہلے مسجد ہی کا دھوکا ہوتا ہے خیر پرانے زمانے میں مسجد و مکتب الگ تھوڑا ہی ہوتے تھے یہاں بھی بلطف لینا پڑا اور ایک گانیدھی کہیں سے نمودار ہو گیا پکوں نیچے نہر سی ہے چہار طرف جرے اور ان کے مجازی چار گنبد و محراب بڑی لق و دق عمارت ہے بڑی محراب کے طغرے بہت شاندار ہیں اور تاریخ ایک جگہ ۱۱۱۲ھ اور دوسری جگہ ۱۱۱۶ھ ملکی ہے اسکے ایک جرے میں ایک بادشاہ قتل ہوا تھا غالباً صفوی خاندان کا کئی تاجدار وہاں سے نکل پوقدے چلتے شہر داری کی عمارت کے پاس سے مڑتے اور چہل ستون کی عمارت کو بوجہہ ناوا قیمت راستے میں چھوڑتے میدان نقش جہاں میں آنکھیں یہاں پہلے پولو کھیلا جاتا ہے لیکن اب پارک ہے داہنے ہاتھ پہلی عمارت عالی قاپو نظر آئی یہ ایک محل ہے سات منزلہ ۱۱ سینٹر ہیاں چڑھنی پڑتی ہیں شاہ عباس اس میں راگ رنگ کا جلسہ بھی کرتے تھے لیکن اس کی بالکلی خاص اس انداز سے بنائی گئی تھی کہ میدان میں پولو کا تماشاد یکجا جا سکے اندر سے عمارت خاصی سادہ ہے وسعت بھی کچھ ایسی نہیں زینے بھی تنگ، جرے بھی تنگ چھتیں بھی پیچی ہیں کہتے ہیں یہیں سے چہل ستون کو راستہ نکل جاتا تھا لیکن بعد میں درمیانی راہ بند کر دی گئی ایک جرے میں بڑے نازک طاقے بنے ہوئے ہیں راگ رنگ کی نخل میں ارتعاش سے فائدہ اٹھانے کے لئے اب یہ کئی جگہ سے خستہ بھی ہو رہے ہیں

عالی قاپو کے دونوں طرف دکانوں کے سلسلے ہیں لیکن گاگ اکاد کا ہی دیکھا چند قدم پر مسجد شاہ ہے وہ کیا عظیم اشان محربی دروازہ ہے یہاں اندر جانے کے لئے بھی ٹکٹ لجھئے اول تو جتنی بڑی مسجد ہیں دیکھیں اب ان میں ناز شاید ہی کوئی پڑھتا ہو گا پڑھتا ہو گا تو نشانہ داسے بھی ٹکٹ لینا ہوتا ہو گا۔

اصفہان کی مسجد شاہ کے ایک طرف حجروں کی بجائے لمبے تالار ہیں ایک طرف چند خواتین کھڑی نماز ادا کر رہی ہیں اصفہان کی مسجد شاہ کا نقشہ عام مسجد وں سے مختلف ہے یہاں قبلہ کی محراب صدر دروازے کے مجاز میں واقع نہیں ہے خیر ہم نے بھی ہاتھ پیچھے پاندھ بھی اس محراب کے طغروں کو دیکھا بھی اس کے اندر بھی باریک کام ہو رہا تھا ایک جگہ ایک گائیڈ کچھ امریکیوں کو کوئی چیز دکھار رہا تھا لیکن ہماری سمجھ میں نہ آئی ہم فارغ ہو کر نکلے کوئھے کہ مرتضیٰ نکوئی مل گیا۔

مرتضیٰ نکوئی ایک سید ہا ساد الڑ کا تھا تختی بیمار سا کوئی سولہ سترہ برس کا سن ہو گا سلام کر کے بولا آپ انگریزی جانتے ہیں۔

ہم نے کہا ہاں تھوڑی تھوڑی،
بولا مجھے انگریزی بولنے کا شوق ہے یہاں کے امریکن مدرسے میں پڑھتا ہوں چھوٹی کے روز یہاں آ جاتا ہوں چونکہ امریکی اور دوسرے انگریزی داں یہاں ہوتے ہیں ان سے باتیں کر کے بولنے کی مشق کرتا ہوں۔
ہم نے کہا، بڑی اچھی بات ہے۔
انگریزی بولتے بولتے آپ کو شہر بھی دکھادوں گا۔

ہم نے کہا، اڑیں چہ بہتر
بولا، مسجد یہ تو سب جگہ ایک سی ہوتی ہیں بازار چلیں،
ہم نے کہا ترتیب وار چلیں گے بازار کوئی بھاگا نہیں جاتا،
بولے بارہ بجے بند ہو جائے گا،

ہم نے کہا۔ بارہ بجھے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے اور اس مسجد میں ہمیں پانچ منٹ لگی گے مرتضیٰ نکوئی ہمیں ہمیں ادھر پنج رہا تھا، ہم ادھر جا رہے تھے آخر ہم نے کہا ہمیں خویداری نہیں کرنی۔ بازار سے ہمیں دلچسپی نہیں ہم تو مسجد لطف اللہ دیکھیں گے بولے خیر جلدیے دلکھ لجھے بازار میں اچھی اچھی چیزیں ہیں اور بعض دوکاندار میرے واقف ہیں مال عمدہ اور بآ کفایت دیں گے،

ہم نے کہا۔ دیدہ خواہد شد

مسجد شیخ لطف اللہ میں داخل ہو کر ہم نے کہا ڈکٹ دیجھے۔

مرتضیٰ نکوئی نے کہا صرف ایک لجھے مجھ سے یہ لوگ ٹکٹ نہیں مانگتے روز کا آنے والا ہوں، ٹکٹ والا بھی مسکرا یا ہمارا بھی ما تھا ٹھنکا، یہ زنانہ مسجد تھی اور شیخ لطف اللہ جن کے نام پر نبی ہے غالباً پیغمبر شاہی اتنا یقین تھے ۱۹۰۶ء میں بنشروع ہوئی اور ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی (مسجد شاہ ۱۹۱۲ء نمیں بننی شروع ہوئی تھی اور اٹھارہ سال میں تکمیل ہوئی) عباس صفوی کے اصفہان کو اکبر کا آگرہ یا شاہ جہاں کی دلی سمجھتے کہ قدم پر جلال و جمال نمایاں ہے۔

مسجد لطف اللہ میں واقعی پانچ دس منٹ سے زیادہ نہ لگے حالانکہ اندر کام اتنا باریک اور نفسیں تھا کہ شائد کسی اور مسجد میں نہ ہو گا۔ اب پھر مرتضیٰ نکوئی نے بازار کی طرف کھنچا شروع کیا لیکن ہمیں ایک چھتا ہوا خستہ سا بازار نظر آیا سکے دہن طرف تگ اور پر پیچ گلیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا مرتضیٰ نکوئی بولے آپ نے قالین

بانی کا کارخانہ دیکھا؟

ہم نے کہا کہ ہمیں کرخانوں سے دلچسپی نہیں،
بولے ویسا مشینوں والا کارخانہ نہیں بلکہ وہ جو چھوٹی لڑکیاں بنتی ہیں ہم نے کہا وہ تو دلکشیں گے گلیوں اور
گلیاروں میں گزرتے مرتضے نے ایک دروازے پر جو کسی طرف سے کارخانہ معلوم نہ ہوتا تھا دستک دی ایک ادھیر
خاتون نے دروازہ کھولا عورتیں ادھر ادھر ہو گئیں اندر تنگ سماں تھا اور اسکے پہلو میں ذرا سا برآمدہ اس میں ایک
چوبی تخت تھا اور برآمدے کی محراب کے ساتھ قالین کا تانا تنا ہوا تھا تین چار چھوٹی چھوٹی چیاں اس میں بانابن رہی
تھیں گویا سارا کام ہاتھ کا کام تھا ہم نے کہایوں تو بہت دریگتی ہو گی؟ ان محترمہ نے فرمایا تین تین چار چار سال
لگ جاتے ہیں ایک قالین نواٹھارہ سال میں بنایا گیا تھا ہم ایک مسقف گلی میں سے ہوتے ہوئے سیدھے ازار میں
آنکے بازار کا مطلب طہران یا اصفہان میں عام بازار نہیں بلکہ پرانا بھتنا ہوا بازار ہے جس میں محرابی دروازوں کی
دکانیں ہوتی ہیں طہران میں سے بازار بزرگ کہتے ہیں اصفہان میں فقط بازار۔

مرتضے نکوئی ہمیں پکڑ کر بازار کی پہلی ہی دکان پر لے گئے اور بولے بڑی اچھی دکان ہے جو چیز
آپ کو یہاں ملے گی سارے اصفہان میں نہیں ملے گی ادھر دکاندار بھی ایلا و سہلا کہتا اخلاقی سے دوہرا ہوا جارہا تھا
ہمارا ما تھا پھر ٹھنکا۔

رہبر بھی ملا تو مرتضیٰ نکوئی

اب عام یہ تھا کہ ہمارا جی بازار کی سیر کو مچل رہا تھا اور آقا نے مرتضیٰ نکوئی کو اصرار تھا ہم خویداری
کریں ہم نے کہا خیر پہلے ہم ذرا بازار کے اس سرے تک ہو آئیں پھر جہاں سے اچھی چیز ملے گی لیں گے
بشرطیکہ دام بھی مناسب ہوئے نکوئی صاحب بولے بازار میں آگے کچھ نہیں چند حلواتیوں اور ٹھیکروں کی دکانیں
ہیں سو آپ کو منتشی طریف اور مٹھائی درکار ہوئی تو اسکی بھی اچھی دکانیں مجھے معلوم ہیں لیکن جہاں تک کپڑے ا
ور قالینوں اور کشیدہ کاری کے نمونوں اور دوسری نازک چیزوں کا تعلق ہے اس دکان سے بہتر ہیں نہ ملیں گی
ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ آپ کو یہاں لا تا۔

ہم نے کہا۔ بھائی ہم بدل و جان آپ کے ممنون ہیں لیکن وہ اس بازار کے سرے پر جو شکستہ

محراب دار عمارت ہے اسے ہم ضرور دیکھیں گے،
بولے جی وہ تو ایک مسجد ہے مسجد بھی کیا پرانے زمانے کا ہندرہ ہے جس پر کچھ لکھے دیتے
لکھے ہیں اسے دیکھ کے کیا کبھی گا،

ہم نے کہا بھائی یہاں ہم آئے ہی ان ہندروں اور کتبوں کے لئے ہیں ورنہ شیخ رحمت اللہ کی
مسجد اور علی قاپو کی بجائے ہانک ملی یا شہر داری (میوسلٹی) کی شاندار رمارتیں کیوں نہ دیکھتے اور یہاں بازار کا رخ
کیوں کرتے جبکہ طہران کی فروشگاہ فردوسی میں بھانت بھانت کی چیزوں کے انبار لگے ہیں ہم تو پرانی چیزوں کی
سوندھی خوشبو سونگھنے آئے ہیں لکنگریٹ کے محل طہران اور کراچی میں بہت ہیں یہ سارا فلسفہ مرتفعی نکوئی کی سمجھ
میں نہ آیا جس سے واقعی گمان ہوتا تھا کہ امریکن اسکول میں پڑھتا ہے اس نے بمشکل میں تیس قدم آگے جانے
کی اجازت دی اور ہم مرکزی چورستے کا موڑ مڑنے کو تھے کہ اس نے آستین پکڑ کر چھیج لیا بس آگے مت جائیے
گا۔

ہم نے کہا اچھا اس دکان پر یہ بودھ خوب ہے اسے دیکھیں۔
بولے یہ اس دکان پر بھی ہے اور یہاں سے کچھ قدر ستا بھی ملے گا۔ مال بھی وہاں کا پائیدار ہے،
ہم نے کہا۔ اچھا پھر وہی چلیں چلیں۔

دو کاندار نے فوراً لمبے چوڑے پلنگ پوش سامنے لا کر پھیلا دیئے ہم نے کہا ان کا ہدیہ۔
بولے لا جواب چیز ہے آپ سے پچاس تومان لیں گے،
ہم نے کہا۔ میں پندرہ تومان ضرور حاضر کر سکتا ہوں،
بولے واہ۔ آغا خوب داد دی۔ ذرا اس کی بوئی تو دیکھئے کتنی عمدہ ہے۔
چالیس تومان میں قریب قریب مفت ہے ارے میرے منہ سے چالیس نکل گیا؟ خیر نکل گیا تو چالیس
ہی کہی۔ باندھ دوں؟

ہم نے کہا۔ نہیں جناب ہمارے پاس اتنا زر نہیں ہے پندرہ تومان بھی ہمارے منہ سے جلدی میں
نکل گئے یہ دیکھنے ادھر دھاگے نکل رہے ہیں بارہ تومان سے زیادہ نہیں دوں گا۔
بولے۔ اچھا ہم آپ سے پیٹتیں لے لے گا۔
ہم نے کہا۔ نبی باشد یعنی گھر بیٹھو۔
بولے تیس

ہم نے کہا۔ بارہ۔ وہ بھی تمہارا دل رکھنے کے لئے ورنہ انصاف سے یہ چادر دس تومان کی ہوتی ہے۔
بولے تم نے پندرہ تومان قیمت تو لگائی تھی نا؟ اب دس پر آ گئے۔

ہم نے کہا۔ ایک کی نہیں دو کی لگائی تھی خیر اسے ہٹا پئے ہمیں یہ درکار ہی نہیں یہ میز پوش کتنے کا ہے۔
اب دو کاندار بڑی سے بڑی چیز نکال کر دکھاتا تھا ہم چھوٹی سے چھوٹی چیز پر ہاتھ رکھتے تھے اس نے ایک بڑا خوان
پوش نکالا ہم نے نظریں ادھر گھما کر ایک چھانچ مرلع کاروں مال پسند کیا جس پر شیخ سعدی بیٹھے حقہ پی رہے تھے وہ
تانبے کا ایک بڑا طشت اٹھا کے لایا ہم نے ایش ٹرے پسند کی اس نے ایک قلیں پھیلا لایا ہم نے ایک چھوٹا سا
ہٹوایا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ ہم نے دس دس آنے والے آٹھ روپاں خریدی لئے یہی نہیں بلکہ ایک
جزون نما کپڑے کا بیگ بھی لے لیا پانچ چھ روپے کا ایک لیڈیز ہینڈ بیگ بھی چھپے ہوئے حتائی کپڑے کا اتنے

میں مل گیا جس پر فردوسی کی تصویر تھی کم از کم اس تصویر میں مرحوم کی شکل بالکل مہا راجہ رنجیت سنگھ سے متین تھی۔

مرتضی نے کہا۔ اب مٹھائی ضرور لے لو اصفہان کا تھغہ ہے اے لویہ حلوائی ہماری پچان کا ہے میا
ل ان صاحب کو ذرا دو تین کیلو گز تو دے دینا ہم نے کہا۔ گز کیا؟

ایک قند کی بھیلی اٹھا کر دکھائی یہ گز کھلاتی ہے مزے کی چیز ہے۔
ہم نے کہا۔ ہم مٹھائی نہیں کھاتے دانت خواب ہوتے ہیں۔

بولے نہیں ہوتے

ہم نے کہا ہوتے ہیں،

بولے۔ ہماری یادگار کے طور پر لے جائیے

ہم نے کہا۔ ناصاحب یہ گز ہماری سمجھ میں نہیں جاڑے میوہ گزک ہوتی ہے جسے ہم پچ کہتے ہیں۔
بولے تو پھر یہ لو اشارہ پچھ لڈونما مٹھائی سے صاف رکھو۔

اتنے میں ہمیں ایک دکان پر سلپر نظر آئے یوں تو ہم کراچی میں لوگوں سے کیا کیا لانے کے وعدے کر کے آئے تھے ریڈ یو سنگر مشین ریفریجیریٹر زعفران زیرہ وغیرہ لیکن جس نے بہت کسری سے کام لیا اس نے بھی ایک سلپر لانے کی فرمائش ضرور کی تھی سامنے ایک دکان پر بیسوں سلپر رکھے نظر آئے یہ ایک خاص طرح کے زنانہ جوتے ہوتے ہیں جن پر رنگ بر گنی بخفل سی منڈی ہوتی ہے دو کاندار نے کہا جناب پندرہ تو مان کامال آپ کی آمد کی خوشی میں ڈس دس تو مان کا لگادیا بالکل مفت ہے کیونکہ دکان کا دیوالہ نکالنا مقصود ہے کتنے جوڑے دے دوں پندرہ یا بیس؟

ہم نے کہا ایک جوڑا کافی ہوگا۔ اگر سات تو مان پسند ہوں تو زہرے عز و شرف۔

بولے۔ ہاں پسند ہے جلدی نکالیئے۔

بازار کو سلام کر کے باہر نکلے ہم نے مرتضیٰ نکوئی سے پوچھا اب ابھی ہمیں چهل ستون بھی دیکھنا ہے اور جامع مسجد بھی۔

بولے۔ اس وقت تو وہ بند ہو گئیں۔ سہ پھر میں دیکھئے گا۔ اب چلنے کھانا کھائیں؟

ہم نے کہا۔ ہم تو کھانا نہیں کھاتے۔

بولے کیوں کیا آپ بیمار ہیں۔

ہم نے کہا۔ نہیں خدا خواستہ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو پھر کا کھانا کھانے کا رواج نہیں۔

ہمارا رادہ اب یہ تھا کہ ان کو پانچ تو مان ان کی محنت کامعاوضہ کسی بہانے دے کر رخصت کر دیا جائے ورنہ ان کی تسمہ پائی سے نقصان بھی ہوگا اور لطف بھی غارت ہو ہا۔

بولے آپ ڈکشنری پڑھتے ہیں؟

ہم نے کہا۔ نہیں پڑھتے تو نہیں ہاں ڈکشنریاں دیکھی ضرور ہیں کبھی کوئی مشکل لفظ آیا دیکھ لیا۔

بولے میں اسے باقاعدہ پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ میری انگریزی مضبوط ہوا اور مجھے انگریزی کے سارے الفاظ آجائیں۔

ہم نے کہا۔ وہ تو سوائے خدا کی ذات کے کسی کو نہ آتے ہوں گے۔

بولے۔ ایک شخص حیم ہے اس کو آتے ہیں اس نے کئی ڈکشنریاں بنائی ہیں ا انگریزی سے فارسی کی بھی فارسی سے انگریزی کی بھی میں سوچتا ہوں کتنا بڑا عالم ہو گا۔

ہم نے کہا ڈکشنری بنانے کا طریقہ ہمیں معلوم ہے اس کے لئے سارے الفاظ جانتے ضروری نہیں

بولے میں بڑی بڑی مشکل کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں یہاں میں نے ایک دکان پر بڑی اچھی اچھی ڈکشنریاں دیکھی ہیں لیکن افسوس خود نہیں سلتا گویا حسن طلب شروع ہوا ہم نے کہا ایک دکان کی کیا خصوصیں ڈکشنریاں تو ہر دکان پر ملا کرتی ہیں آج بازار میں ایک بک اسٹال پر ہم نے دیکھی تھیں بولے۔ اس دکان پر بہت عمدہ ہیں اور کافی ذخیرہ ہے آپ کو دکھاؤں ہم نے کہا۔ نہیں اس وقت جی نہیں چاہتا۔
بولے۔ مجھے ایک لے دیجئے راستے ہی میں دکان ہے۔

دکان راستے ہی میں تھی اور دکاندار نے باقی گاہوں کو نظر انداز کرتے اور مرتضیٰ نکوئی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہیں ہمیں اندر بلایا اور کہایہ دیکھنے ساری ڈکشنریاں موجود ہیں۔
مرتضیٰ نکوئی کے حوصلے بہت بلند تھے اس نے ایک نور الگات کے جھم کی لغت اٹھا کر کہایہ اچھی ہے اس میں سارے لفظ شامل ہیں۔
کتنے کی ہے۔
بولے وہ تو سامان کی ہے۔

ہم نے ان کے ہاتھ سے لے کر واپس شلف میں رکھ دی۔
انہوں نے اب اس سے چھوٹی لغت اٹھائی
یہ پچاس کی ہے۔

وہ بھی ہم نے انکے ہاتھ سے لے کر شلف میں ٹکادی
ایک اسے چھوٹی تھی بولے۔
یہ اتنی اچھی تو نہیں لیکن گزارہ ہے۔
ہم نے کہا۔ کتنے کی؟

بولے فقط بیس تومان کی ہے لے لوں،
ہم نے کہا۔ دیکھو میاں مرتضیٰ نکوئی ہمیں سیٹھ سا ہو کارت سمجھو ہم میں بیس تومان بھی خوج کرنے کی تاب نہیں تمہیں زیادہ سے زیادہ یہ ڈکشنری لے کے دے سلتا ہوں یا پھر یہ،
ان میں سے ایک پانچ تومان کی تھی دوسری سات کی۔

اب انہوں نے ایک اور مٹھائی۔ بولے یہ بارہ تومان والی بھی چل جائے گی ہم نے کہا۔ انگریزی کا کوئی ایسا لفظ بولو جو اس پانچ تومان والی میں نہ ہو منہ لٹکا کے بولے خیر یہ سات تومان والی لئے لیتا ہوں۔
اب ہم د کاندار سے مخاطب ہوئے میاں یہ کتنے کی ہو گی تجھ بتاؤ سات تو ہم دینے سے رہے۔
بولے جی سات تومان ہی ہوں گے کمپنی کی قیمت لکھی ہوئی ہے اور ہمارے ہاں ایک دام ہیں۔
خیر کچھ وہ گھٹا کچھ ہم بڑھے جھ تومان میں سودا ہو گیا۔

باہر نکل کر کہا اچھا میاں مرتضیٰ نکوئی خدا حافظ پھر ملیں گے اگر خدا لا یار بولے تو آپ چھل ستون مینار لرزائ جامع مسجد خود دیکھ لیں گے۔
ہم نے کہا۔ ہاں اور پھر ہم تمہارا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تم پھر مسجد شاہ واپس جاؤ کوئی اور گانٹھ کا پورا اتلاش کرو۔

بولے۔ یہ میرا کارڈ لے لیجئے۔ اور مجھے بھولئے نہیں۔

ہم نے کہا۔ بھولنا کیا معنی۔ واپس جا کر ہو سکا تو تمہارے بارے میں لکھیں گے بھی تمہیں کوئی بھول سکتا ہے؟

ہم نے ہاتھ ملا کر اور مرجمت شمازیاد کیا کہیے کر خیابان چہارباغ کی طرف قدم اٹھایا میرضی ہیں کھڑا رہا
چالیس قدم ادھر ایک غباروں والے کی دکان تھی وہاں ٹھٹک کر ہم نے سوچا دیکھیں تو مرتضی نکوئی صاحب اب
کیا کرتے ہیں؟

مرتضی نکوئی دوبارہ کتاب فروش کی دکان میں گھسا اور چند لمحے کے بعد باہر نکلا اس کے ہاتھ میں ڈکشنری نہ
تھی۔

خداجانے اس دکان پر حیم کی ڈکشنریوں کے ایسے کتنے صوبے ہوتے ہوں گے ہم تو خیر پاکستانی ہیں اور
طبعت کے جزوں کہ چھ تو مان میں یہ آزاد ٹالا دو سو مان نہ سہی بیس تو مان کی ڈکشنری خرید کر دینے والے ہیں
اسے واپس لے کر دکاندار ایک دو تو مان اپنا حصہ لے لیتا ہو گا باقی مرتضی نکوئی کی حبیب میں جاتے ہوں گے۔

سویہ تھے مرتضی نکوئی

اب دو پھر تھی اور کڑا کے کی دھوپ پڑ رہی تھی ہوٹل میں جانے کا کچھ فائدہ نہ تھا رہنے کی تو مجبوری
ہے کھانا اپ کہی بھی کھائے وقت ایسا تھا کے آٹھ گھنٹے کے بعد کھنے کے مقامات چھل ستون وغیرہ پھر دیکھنے
والوں کے لئے کھلنے والے تھے بڑی سڑک پر پہنچ کر ہم پھردا ہے والوں کے لئے کھلنے والے تھے بڑی سڑک پر پہنچ
کر ہم پھردا ہے ہاتھ ہو لیے تھوڑی دور پر قیمتی کی سوندھی خوشبو آئی جو بھوک کو چکا گی یہ ایک چھوٹا سا بھٹیا رخانہ
تھا، ہم نے دیکھا کہ باور پتی زیتوں کے تیل کا چچہ نہیں ایک بہت بڑے فرائی پین میں ڈال قیمه بھونتا ہے اور پھر نان
کو اسی روغن میں تل اوپر سے قیمہ ڈال گا کہوں کو پروں رہا ہے ایک طرف سی کالاں مات رکھا تھا یوں کوکا کولا
ورکنار ڈائی کا انتظام بھی تھا بھٹیا رخانے کا یہ مطلب نہیں کرو ہاں کرسی میز نہ تھی سب کچھ تھابوائے نے فورا
پیاز اور چنی سامنے لا فرمایا بفرمائید آقا۔
ہم نے کہا۔ روئی قیمه اور لی۔

قیمه تو خیر۔ روئی کا سائز اچھی خاصی ٹوکری کے برابر تھا ہم نے کہا اس سے آدھا۔
اس نے تعییل ارشاد کی۔

ہم نے کہا اس سے بھی آدھا۔

یہ پارہ نان بھی ہمارے ظرف سے کچھ زیادہ ہی تھا لیکن سوچا کوئی مضائقہ نہیں۔
ایک پولیس والا پاس کی میز پر بیٹھا موچھیں مٹکا رہا تھا بولا آپ دو غپسند کرتے ہیں؟
ہم نے کہا جی ہاں۔ ہمارے ہاں ہر کھانے کے ساتھ لسی پی جاتی ہے ہاں بڑی فائدہ مند چیز ہے لیکن آج
کل کے لوٹے تو کوکا کولا اور کنار ڈائی پر جان دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر اسی فٹ پا تھ پر دو قدم آگے جائیں تو دا ہے ہاتھ ایک رستہ مڑے گا وہ ایک چوک پر
پہنچائے گا وہاں سے باعثیں ہاتھ مڑیں تو جامع مسجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے کسی سے پوچھ لیجئے بلکہ خود ہی ڈھونڈ
لیجئے۔

www.HallaGulla.com

ابن بطوطة لکھتا ہے

شہر اصفہان بہت بڑے شہروں میں سے ہے اور نہایت خوبصورت ہے لیکن اب سینوں اور دوا فض کے درمیان نقہ کی وجہ سے ویران ہو گیا ہے۔

پھل پھلاری بکثرت ہیں مشتمل جسے تم الدین کہتے ہیں یہی انگور اور خوبوزہ تو ایسا عجیب ہوتا ہے کہ ماسوا بخاری اور خوارزمی خوبوزے کے ویسا کہیں نہیں ہوتا بلے انہا شیریں جسے کھانے کی عادت نہ ہو پہلی بار کھانے سے اسے دست آنے لگتے ہیں میری بھی یہی حالت ہوئی۔

باشدندگان اصفہان بہت خوش خوارک ہیں باس الفاظ دعوت کرتے ہیں آئیے نان ماس نوش فرمائیے ہر پیشے والا کا ایک چودھری ہوتا ہے جسے کلو کہتے ہیں کھانے پینے میں بہت تکلفات روا رکھتے ہیں ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی دعوت کی تو شمع کی آنچ پر کھانا پکایا دوسرے نے دعوت کی تو نہلے پہ دہلامار ارشم کی آنگ کے چولھا روشن کیا۔



www.HallaGulla.com

جامع مسجد اور رحمت اللہ

اصفہان کی جامع مسجد وہاں کی قدیم ترین عمارتوں میں سے ہے مسجد شاہ والی قاپوستون وغیرہ صفویوں کے عہد یعنی سترھویں صدی کی پادگار ہیں لیکن جامع مسجد کا زمانہ پرانا ہے بلکہ کہتے ہیں یہاں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی معبدر ہاہے جہاں اب یہ واقع ہے وہاں قبل از سلام پارسیوں کا ایک بڑا آتشکدہ ہوا کرتا تھا مسجد کی بنا تیسری صدی ہجری کے شروع کا ایک عباسی خلیفہ کے ہاتھوں پڑی۔

خیر آگے ایک چوک تھا غالباً ہی چوک جس کا پتہ بتایا گیا تھا لیکن کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے کیوں نہ پوچھ لیا جائے چند ننگ دھڑک لڑکے کنکروں سے کھیل رہے تھے ہم نے انہیں بلا کے جامع مسجد کا راستہ دریافت کیا سب ایک ساتھ بول اٹھے ان کی چیز چیز چیز تو سمجھ میں نہ آئی ہاں انگلی کا اشارہ واضح تھا

ہم نے رحمت شمازیاد کہہ کر اوہر قدم بڑھایا لیکن ان لوگوں کو کنکروں سے زیادہ دلچسپ مصروفیت ہاتھ آگئی تھی لہذا سارا غول بیباپی ساتھ ہولیا عجب سڑک تھی حدنظر تک کوئی سواری گاڑی تو کیا کوئی تنفس نظر نہ آتا تھا دورو یہ کچی مٹی اور لال اینٹوں کے بڑے بڑے آثاروں والے مکانات تھے لیکن پیشتر گرائے جا رہے تھے اور ان کے اندر کے طاقے اور در تپے ان کی کھنگی کا بیٹھ دے رہے تھے عمارتی مسالہ بھی پڑا تھا اور گردابڑی تھی اور لوٹدے دلکی چلتے ہوئے ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے مارتے ہیچھے چھوڑ جانے کی کوشش کر رہے تھے نتیجہ یہ کہ بقول شاعر کوئی یہاں گراوہاں گراوہاں اور آخر میں تین چار ہی رہے گے،
ہم نے کہا کیا نام ہیں تم لوگوں کے۔

ایک کا نام علی تھا، دوسرے کا مصطفیٰ تیسرے کا کچھ نام تو تھا لیکن ہماری سمجھ میں نہ آیا۔

پڑھتے ہو؟
پہیں،
کیوں؟

چیں چیں چیں چیں کچھ پلے نہ پڑا۔

اچھا ب آرام کرو بہت شکر یہ
پول بد ہید، یعنی پیسے ڈھیلا کرو۔

ہم نے بھی اپنی فارسی چکانے میں مصائب نہ سمجھا اور کہا اچھا جو شخص یہ بتائیے کہ میں کہاں کا ہوں اس پریمیر دیوبندی میں سے پانچ روپیال ملیں گے، ایک بولا۔ امریکی،

ہم نے کہا۔ ہت تیرے کی،
دوسرا بولا۔ فرانسہ یعنی فرائیسی

ہم نے کہا۔ اور سوچو اور سوچو،

آخر ایک نے کہا۔ جناب آپ مشہدی ہیں اور کیا ہیں۔

مزید بحث فضول ہی اس لئے کہاں کا تاریخ جغرافیہ کا علم حتم ہو گیا تھا۔ ہم نے پاکستان کا نام لیا تو آرے بلے کہہ کر رہ گئے بولے اچھا ب پسیے دو۔

1

ہم نے کہا۔ تم لوگ امتحان میں قیل ہو گئے۔ پسپے کسے؟

اب انہوں نے ہمارے گرد رقص کرنा شروع کر دیا،

ہم نے کہا اچھا ایک ایک ریال،

بولے۔ جی ٹھیں پاچ پاچ ریال،

ہم نے کہا۔ بی باشد

وہ بھی بولے کہی باشد آخوتین تین ریال پر سودا ہو گیا۔

اس جامع مسجد نے بہت انقلابات دیکھے ہیں لیکن اس وقت وہ بھی لنڈے بازار کامال معلوم ہو رہی تھی ایک دروازہ سے ہم اندر گئے اور کسی نے بلطہ تک نہ یوچا مسجد کے سخن میں یعنی تو بے اختیار اختر الایمان طویل راستہ عین جامع مسجد کے سامنے جا کر نکلا۔

گرد آلو دہ چراغوں کو ہوا کے جھونکے
روز مٹی کی نئی تہہ میں دبا جاتے ہیں
اور جاتے ہوئے سورج کے وداعی انفاس
روشنی آکے دریپھوں کی بھجا جاتے ہیں

حضرت شام و سحر بیٹھ کے گنبد کے قریب
ان پریشان دعاوں کو سنا کرتی ہے
جو ترسی ہی رہیں رنگ اثر کی خاطر
اور ٹوٹا ہوا دل تھام لیا کرتی ہے
یا ابایل کوئی آمد سرمائے قریب
اس کو مسکن کے لئے ڈھونڈ لیا کرتی ہے
اور محراب شکستہ میں سمٹ کر پھروں
داستاں سرد ممالک کی کہا کرتی ہے
ایک میلا سا، اکیلا سا، فردہ سا دیا
روز عشر زدہ پاتھوں سے کہا کرتا ہے
تم جلاتے ہو بھی بھجاتے بھی نہیں
ایک جلتا ہے مگر ایک بھجتا ہے

لڑکوں نے پیسے تو لے لئیکن اور اودھم مچانہ چھوڑا ہم تو منبرہ محراب میں الجھ گئے انہوں نے
حوض کے گرد کلیں کرنی شروع کیں وہاں سے جی او ب گیا تو ہمیں آستین سے پکڑ بایں ہاتھ کی محراب
میں سے اندر لے گئے کہ یہ دیکھو۔ یہ ایک لق دوق تالار تھا محراب ایں ہی محرابیں ستون اور پھر ان میں
کمر کمر تک دیواریں۔ گویا مختلف حصے کر رکھے تھے یہاں کسی زمانہ میں قافلے آ کر ٹھرا کرتے ہوں گے لڑکوں
کو اچھا کھیل ہاتھ آتا تھا ب انہوں نے ان ستونوں اور دیواروں کے پیچھے آنکھ مچولی کھلائی شروع کر دی اتنے میں
ایک جغا دری گالی سنائی دی۔

پھر ایک ادھیر عمر کا کرنجی آنکھوں والا آدمی ان کے پیچھے بھاگتا نظر آیا لڑکے ڈال ڈال وہ پات
پات لڑکے تین وہ ایک لئیکن اس شخص میں اس بلا کی چستی اور پھرتی کہ تعجب ہوتا تھا۔۔۔ اسے اس ٹولی کا تالار سے
چھن اور صحن سے دروازہ تک برابر پیچھا کیا پھر آ کر ہمیں مطلع کیا کہ یہ شیطان کی اولاد ہیں اور جناب میاں
سلام عرض کرتا ہوں اور آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اہلا و سہلا اے آمدنت باعث آبادی ما۔
یہ شخص رحمت اللہ تھا پر اسرار رحمت اللہ جس کے متعلق ہم اب بھی کبھی رات کو سوچا کرتے ہیں کہ کیا تھا
وراں کا ہمیں تہہ خانے میں جانے اور کواڑ بند کر دینے سے کیا مقصد تھا۔

رحمت اللہ جامع مسجد کا جسے جمعہ مسجد کہتے ہیں دربان اور گائیڈ سمجھی کچھ تھا اس نے کہا جناب

یہ اصفہان کی سب سے قدیمی مسجد ہے اور ۸۲۰ء میں ایک عباسی خلیفہ نے اسے بنایا تھا گورھویں صدی عیسوی میں سلجوقی عہد میں اس کی تعمیر ہوئی۔

ہم نے کہا کیا مطلب؟

بولے نویں صدی میں بنی اور گیارھویں صدی عیسوی میں اس کی تعمیر ہوئی۔

ہم نے کہا۔ خوب خوب اب ہم سمجھ گئے ہم بھول گئے تھے کہ تعمیر کرنے کا مطلب مرمت کرنا ہے وہ آتش کدہ کہاں ہے جو کہتے ہیں قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

رحمت اللہ نے انگلی کے اشارے سے ایک طاقچے دکھایا بولے یہاں وہ آتش کدہ ہوا کرتا تھا یہیں سے مسجد کی بنashروع ہوئی اسکے مختلف حصے مختلف زمانوں کی یادگار ہیں یعنی پہلی تعمیر پر اضافہ ہوتا گیا یہ آتشکدے والا حصہ قدیم ترین ہے عباسیوں کے عہد کا آپ کوتہ خانہ دکھاؤں۔

کہاں ہے؟

اس دروازے کے پچھے ہے۔

جس تالار میں ہم کھڑے تھے اس کے ایک کونے میں ایک لکڑی کا دروازہ تھا پہلے ہم نے اندر قدم رکھا بہت دھنڈلی اور ملکجی سی روشنی تھی روشنی نہیں جبکہ پٹا تھا کئی سیڑھیاں نیچے اترنا پڑا یہ بھی ستونوں اور محرابوں کا ایک لق دق سلسلہ تھا اور روشنی فقط چھٹ کے موگھوں سے آرہی تھی سیلن سے عجیب طرح کی یواٹھر، یہ تھی جس کا فشار ذہن پر اثر کرنے لگا تھا۔

اتنے میں دروازے کی چھٹی چڑھانے کی آواز آئی رحمت اللہ نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

لیکن کیوں؟

اپنے اگلے دس منٹ کے احسانات کا ہم قطعہ سے تجربہ نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے یہ آسمی کیفیت ہمارے ذہن کے اندر ہو ہو سکتا ہے باہر کا عکس ہو دروازے کی کنڈی کیوں چڑھائی گئی رحمت اللہ ہمارے قریب قریب آنے کی کیوں کوشش کر رہا ہے اس کی کربجی آنکھوں میں یہ کیا جھلک رہا ہے یہ تہ خانہ ایک الگ تھلک دینا ہے باہر سے کسی نے ہمیں اندر آتے دیکھا بھی نہیں لہذا اگر ہم باہر نہ نکلیں تو کوئی بھی نہیں کر سکتا چیز بھی باہر نہیں جا سکتی اور پھر دروازہ کیوں بند ہوا کیوں بند ہوا؟

رحمت اللہ نے اس تہ خانے کی کیا تارتیخ بیان کی کچھ یاد نہیں شاید یہاں قیدی رکھے جاتے تھے وہ ہمارے پاس آنے کی کوشش کر رہا تھا ایک دوبار اس نے کچھ دکھانے کو پاس بلانے کی کوشش کی لیکن ہم نے سنی ان سنسنی کردی ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ پہلو بچا کر دروازے پر پکنچیں اور کنڈی کھول کر نکل جائیں لیکن وہ کسی نہ کسی صورت ہمارے اور دروازے کے درمیان حامل ہو جاتا ہے دوسرا دروازہ اگر کوئی ہے کہاں ہے کٹھ معلوم نہ تھا رحمت اللہ کی چیتی کی لپک جھپک ہم دیکھ چکے تھے ہم پھر تی اور قوت میں اس کا جوڑانہ تھے اور دونوں کی آنکھ چھوٹی تہ خانے کے تاریک تر حصے ہیں ہمیں لئے جا رہی تھی۔

آخر ایک جگہ یک فرسودہ سا دروازہ نظر پڑا ہم نے جھپٹ کر اس کی زنجیر کھولی اب ہم اپک گنبدیوائے وسیع جھرے میں تھے جس کا دوسرا دروازہ صحن مسجد میں کھلتا تھا اور وہاں سے تازہ روشنی جمل مل کرتی آرہی تھی رحمت اللہ اندر سے اب بھی پکار رہا تھا کہ یہ دیکھو یہ دیکھو لیکن ہماری وحشت پیروںی دروازے کی طرف دھکیل رہی تھی اسی جھرے میں ایک بہت پرانے زمانے کا نمبر رکھا تھا کس زمانے کا؟ اب یاد نہیں لکڑی فرسودہ ہو کر کالی ہو رہی تھی آخر رحمت اللہ بھی نکل آیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا پھر ہم دونوں صحن میں آگئے اب وہ

بھینا مل انسان نظر آتا تھا اور ہماری بھی سحر زوگی ختم ہو رہی تھی اس عالیشان عمارت کی باقی وسعتیں ہم نے صحن اور برآمدوں ہی میں کھڑے ہو کر دیکھیں کسی اور حجرے میں جانے کا حوصلہ نہ ہوا،

رحمت اللہ نے کہا اب ایک فنجان چائے نوش کرتے جا ہیں ہم نے کہا مہربانی۔

اس نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی چائے کی پیاس محسوس ہو رہی تھی چنانچہ رحمت اللہ ہمیں ایک مختصر سے حجرے میں لے گیا اس کی ایک سمت پوری جالی کی تھی اسے رحمت اللہ نے کاغذوں سے پاٹ رکھا تھا تا کہ سردی اور ہوا سے بچاؤ رہے کروں کے نیچوں نیچے ایک چٹائی بچھی تھی اور اس پر ایک لحاف پڑا تھا رحمت اللہ نے ایک طباق سی روٹی اٹھائی اور ہمیں پیش کی تھیں ہم نے شکریہ ادا کر کے معدرات کی کہ بھوک ہمیں اسے وہ لپیٹ کر نمک کے ساتھ دلوں میں چڑھایا گیا چائے اب تیار تھی اس نے مصری نما چینی کے ایک ڈلے کو ایک ڈنڈے سے توڑا اور چینی کی کنکریاں ہمیں پیش کیں چائے مزیدار تھی۔

انتنے میں ایک لڑکا پھد کتا ہوا اندر آیا ہم نے کہایہ کون کہا میرا لڑکا ہے۔

کیا کرتا ہے؟

پہلی جماعت میں پڑھتا ہے۔

ہمیں اپنے اسکول کے دن یاد آگئے تھے ہم نے دو تو مان لڑکے کو دیئے رحمت اللہ بہت خوش ہوا باہر نکلے بڑے تپاک سے رخصت ہوئے ہم نے ڈھائی تو مان رحمت اللہ کو بھی دیئے اس پہلی جماعت کے طالب علم کا باپ مجرم ہو سکتا ہم کو دھوکا ہوا تھا یہ فقط اس تھے خانے کا آسیب تھا،